ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

میرے دشمن میرا کیا بگاڑ لیں گے اگر
انھوں نے مجھے قید کیا تو مجھے خلوت کی نعمت
نصیب ہوگی اگر جلاوطن کر دیا تو سیاحت کا
موقع مل جائے گا اور اگر قتل کر دیا تو شہادت
کا عظیم مرتبہ میسر آئے گا۔

(ابن تیمیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیات نو بلریا گنج

شمارہ ۷	ربیع الاول سنہ ۱۴۱۷ھ جولائی سنہ ۱۹۹۶ء	جلد ۱۲

بدل اشتراک

سالانہ زرتعاون ۵۰/- روپے

طلبہ کے لئے ۳۰/- روپے

خصوصی زرتعاون ۱۰۰/- روپے

اعزازی زرتعاون ۱۰۰۰/- روپے

غیر ممالک سے زرتعاون ۲۵ امریکی ڈالر

قیمت فی شمارہ ۵/- روپے

مدیر مسئول

طارق غفار فلیط فلاحی

مدیر

محمد اسمٰعیل فلاحی

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ

فون ۲۵۱۴۵ — ۲۷۶۱۲۱

پرنٹر و پبلشر نور محمد فلاحی نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر حیات نو بلریا گنج سے شائع کیا۔

کتابت:- محمد اشفاق عالم مفتاحی

نقوش حیات نو

صفحہ

✱ اداریہ
اللہ اللہ! یہ شان ونوازی۔ — محمد اسمٰعیل فلاحی ۳

✱ بحث ونظر
رفعا عین حدیث اور وضع حدیث.... — ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی ۶
عالم اسلام استشراق وتنصیر کے نرغہ میں — محمد عطریف شہباز فلاحی ۲۰
تحقیق کا علمی انداز واسلوب — ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری ۲۶
ذریعہ تعلیم کا مسئلہ اور اس کا حل — پروین کوثر صدیقی ۳۳

✱ طنز ومزاح
علامہ مرحوم — جاوید احسن فلاحی ۳۷

✱ تعارف وتبصرہ
حیات عمران — ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی ۴۰

✱ شعر ونغمہ
حیات نو — مولانا ابو البیان حماد عمری ۴۳
غزلیں — ریاض احمد ناصد، رو آزاد ۴۴، ۴۵

✱ روداد انجمن
اجلاس کی تیاری، وفود انجمن، — محمد اسمٰعیل فلاحی ۴۴
بمبئی یونٹ کا انتخاب، ناظم اجلاس کا خط ۴۵، ۴۶

✱ جامعہ کے لیل ونہار
ششماہی امتحان، تعمیرات، مولانا عابد الدین..... — محمد اسمٰعیل فلاحی ۴۷

اداریہ

محمد اسمٰعیل فلاحی

اللہ اللہ! یہ شان ونوازی

مکہ فتح ہو چکا تھا حنین میں مسلمانوں کے زخم تو آئے تھے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں شاندار فتح کے ساتھ وافر مال غنیمت بھی عطا فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے اسلام لانے والوں کے درمیان تالیف قلب کی خاطر اسے تقسیم فرما دیا۔ متعدد سرداران قبائل کو پچاس پچاس اور سو سو اونٹ عطا کئے۔ یہ لوگ زیادہ تر قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ انصار کے حصہ میں کچھ نہ آیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ قریش کے اسلام لے آنے کے بعد اب ان سے دوستی کا سا معاملہ ہوگا۔ وہ اب غیر یا دوسرے نمبر کے شہری نہیں ہونگے۔ ان کی ماضی کی مخالفانہ سرگرمیاں بھلائی جا چکی ہیں۔ اب ان سے ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ اس طرح آپ نے ان کا دل جیت لیا۔ ان کے خدشات جاتے رہے اور دنیا نے یدخلون فی دین اللہ افواجا کا روح پرور منظر دیکھا۔

انصار کے بعض نوجوان اس حکمت کو سمجھ نہ سکے۔ ان میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ انہوں نے اسے اقربا پروری پر محمول کیا۔ انہوں نے سوچا جنگی خون آشام تلواریں مسلمانوں پر برستی رہیں، تحائف وہدایا کے مستحق تو وہ قرار پائیں اور جو اسلام کی حمایت ونصرت کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدان میں آتے رہے وہ یک لخت نظر انداز کر دیئے جائیں۔ ایک نوجوان نے یہاں تک کہہ دیا۔

لقی واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قومہ۔ اللہ کی قسم رسول خدا اپنی قوم سے مل گئے

بیعت عقبہ میں شریک رہنے والے سعد بن عبادہ جیسے جلیل القدر انصاری بھی حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے آگاہ کیا، حضور نے ان سے ان کا موقف معلوم کیا تو ان کا جواب تھا

یا رسول اللہ ما انا الا من قومی — اے اللہ کے رسول، میں تو اپنی قوم ہی کا ایک فرد ہوں۔

نیت پر شبہ اور اقربا نوازی کی بات اب تک کے جاں نثاروں کی جانب سے، یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، بڑا سخت مرحلہ تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھنجھلائے نہیں، طیش میں نہیں آئے علم و بردباری کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ انہیں گمراہ اور بدعقیدہ قرار نہیں دیا۔ ان پر برسے نہیں۔ نہایت حکمت کے ساتھ ان کے قلب و ذہن کو بدلنے اور ان کی اصلاح کی کوشش کی۔ اس لئے کہ آپ کو ان سے محبت تھی۔ آپ رحمۃ للعالمین تھے، اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ ان کے لئے نہایت نرم ہو گئے تھے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ: ۱۲۸)

تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے جس پر گراں ہے یہ بات کہ تمہیں تکلیف پہونچے، جو تمہاری بھلائی کا حریص اور اہل ایمان پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران: ۱۵۹) — اللہ کی رحمت ہی کے سبب آپ ان کیلئے نرم ہوئے،

آپ نے انہیں ایک جگہ اکٹھا کیا، ان کی چہ میگوئیوں اور خفگی کا ذکر کرتے ہوئے نہایت موثر اور دلپذیر انداز میں فرمایا، کیا یہ حقیقت نہیں کہ اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت دی، غنی بنایا اور تمہارے دل باہم جوڑ دیئے؟ انصار نے اسے تسلیم کیا۔ آپ نے دولت اسلام کی طرف توجہ دلانے کے بعد انصار کی خدمات جتائی گئی ہیں، انداز کتنا متاثر کن ہے۔ فرمایا اگر تم چاہتے تو یہ کہہ سکتے تھے اور صحیح کہتے اور میں بھی تمہاری تصدیق کرتا کہ دنیا نے آپ کو جھٹلایا تھا، ہم نے تصدیق کی، آپ بے یار و مددگار تھے، ہم آپ کے دست و بازو بنے آپ کو نکالا جا چکا تھا، ہم نے ٹھکانا عطا کیا، اور ہم نے آپ کے ساتھ غمخواری اور مواسات کا معاملہ کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر تم ایسا کہتے

تو صحیح کہتے۔ بتاؤ اے انصاری بھائیو! کیا تم دنیا کی حقیر متاع کے سلسلہ میں اپنے دل میں چبھن محسوس کرتے ہو جس سے میرا مقصود محض کچھ لوگوں کی تالیف قلب تھا۔ تمہارے اسلام پر اعتماد کرتے ہوئے میں نے تمہیں تمہارے اسلام کے حوالہ کر دیا، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم رسول خدا کو اپنے ساتھ لیکر پلٹو۔ یاد رکھو اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ ایک گھاٹی اور وادی میں چلتے اور انصار دوسری میں تو میں انصار کے ساتھ ہوتا، انصار کی حیثیت جسم سے لگے ہوئے ملبوس کی ہے جو الگ نہیں ہوتا، دوسرے لوگ تو اوپری لباس کے مانند ہیں، اے اللہ رحم فرما انصار پر، انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر۔

انصار رو رہے تھے اور ان کی داڑھیاں تر تھیں۔ اصلاح و تربیت کے لئے اور کسی تحریک و ادارہ کی سربراہی کے لئے صرف ضابطہ کا تعلق کافی نہیں ہوتا جب کسی ادارہ کا سربراہ، کوئی قائد تحریک یا کوئی مرشد و مربی اس طرح اپنے متوسلین اور زیر تربیت لوگوں سے محبت کرتا ہے تو وہ بھی اس سے ٹوٹ کر پیار کرتے اور اس پر اپنی جانیں نچھاور کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسا باپ ہوتا ہے جس کے دل میں اپنی اولاد کے لئے محبت کے چشمے ابل رہے ہوتے ہیں، وہ انکی ہدایت کے لئے بے چین اور انکی ترقی کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں ان کا خیرخواہ ہوتا ہے اور جب یہ تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دلوں کی دنیا بدلتے دیر نہیں لگتی اور فکر و عمل کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانہ میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

پہلی قسط

وضاعین حدیث اور وضع حدیث کے اسباب

ڈاکٹر محمد سلیم (فاضل دیوبند)
شعبہ دینیات (سنی) علیگڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ (یوپی)

خلفائے راشدین کا زمانہ اپنے بعد آنے والے تمام زمانوں سے بہتر تھا عہد خلافت حضرت عثمان غنی رض کے نصف اول تک تمام امت متحد تھی اور دین ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رہا۔ مگر حضرت عثمان رض کے عہد خلافت کے اواخر میں خانہ جنگی کے نتیجہ میں مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا اور وہ سیاسی لحاظ سے گروہوں میں تقسیم ہوگئے مسلمانوں کی خانہ جنگی دیکھکر بہت سے یہود منافقین اور کذابین سیاسی مقاصد کے تحت مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہوگئے اور حدیث کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ حدیث میں تخریب کاری کی ابتداء حضرت علی کے دور خلافت سے ہوئی بعد میں یہ فتنہ رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور مختلف قسم کے وضاعین نے موضوع حدیثیں بنانی شروع کیں۔ ابتداء میں وضع حدیث کا محرک سیاسی مفاد تھا جبکہ بعد میں دین میں تخریب کاری جیسے محرکات بھی اس میں شامل ہوگئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی موضوعات کے تمام ابواب میں موضوع حدیثوں کے دفتر تیار ہوگئے۔

روافض اور وضع حدیث

وضاعین حدیث میں سب سے زیادہ فرقہ روافض نے حدیثیں وضع کیں۔ ان لوگوں نے محبت علی اور آل علی کی آڑ میں اسلام اور ائمہ اسلام کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ حضرت ابوبکر رض عمر رض اور عثمان رض کے خلاف لوگوں کو گمراہ کرتے اور ان کے خلاف طرح طرح کے

بہتان تراشتے۔ انکی خلافت پر تنقید کرتے اور کہتے کہ خلافت انہوں نے بغیر کسی استحقاق بلکہ جبراً حاصل کی تھی۔ اسی طرح حضرت علی کے متعلق بھی لوگوں میں طرح طرح کی خرافات پھیلاتے کہ نبی ﷺ نے اپنے بعد حضرت علی کو اپنا وارث اور اپنے بعد خلیفہ منتخب کیا تھا اور انہیں کچھ راز کی باتیں بھی بتلائیں تھیں ان کذابین نے اپنے مقصد کے حصول کیلئے حدیث رسول ﷺ کو نشانہ بنایا۔ ان کا بس چلتا تو قرآن میں بھی تحریف کردیتے مگر چونکہ کثرت حفاظ کی وجہ سے قرآن میں کسی طرح کی تحریف و ترمیم ناممکن تھی لیکن حدیث جو غیر مدون تھی اسکا تمامہ کسی ایک فرد کیلئے یاد رکھنا آسان نہ تھا اس لئے اسے غیر محفوظ پاکر جعلی حدیثیں بنانا شروع کردیا۔

عراق وضع حدیث کا اصل مرکز تھا۔ رفتہ رفتہ ایک شہر کے بعد دوسرے شہروں کو بھی اس فتنہ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وضاعین نہ صرف حدیثوں کو وضع کرتے بلکہ صحیح حدیثوں کو بھی بگاڑ دیتے تھے۔ چنانچہ امام زہری (م ۱۲۴ھ) فرماتے ہیں یخرج الینا شبرا فیرجع الینا ذراعا (ہماری طرف سے اگر کوئی حدیث بالشت برابر ہوتی ہے تو وہ انکے پاس جاکر ایک ذراع ہوجاتی ہے)

امام مالک عراق سے نکلی ہوئی حدیثوں کو اہل کتاب کی روایات سے تعبیر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ لا تصدقوھم ولا تکذبوھم (انکی حدیثوں کی نہ تم تصدیق کرو اور نہ تکذیب)

(سبا فرقہ کے لوگ وضع حدیث کیلئے باقاعدہ میٹنگ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ) بیان کرتے ہیں۔

اخبرنی شیخ من الرافضة انھم کانوا یجتمعون علی وضع الحدیث

(روافض کے ایک شیخ نے مجھے بتایا کہ یہ لوگ حدیث گھڑنے کیلئے ایک جگہ جمع ہوتے تھے) جس کے ذریعہ وہ اپنی خواہشات کو حدیث کی شکل دیدیتے تھے۔ اور اسے چلتا کرنے کیلئے کسی ثقہ راوی کا نام اس میں بطور سند لگا دیتے

فرقہ روافض نے بڑی تعداد میں روایات وضع کیں۔ ان میں ایک ایک آدمی موضوع حدیثوں کا طومار لئے پھرتا تھا۔ ابن حبان البستی نے نقل کیا کہ جعفر بن یزید الجعفی کہا کرتا تھا کہ میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ایسی ہیں جن میں سے میں نے ایک حدیث بھی بیان نہیں کی۔

امام مسلم نے بیان کیا کہ جابر کے پاس ستر ہزار موضوع حدیثیں جمع تھیں۔

حافظ خلیلی نے بیان کیا کہ روافض نے حضرت علی اور اہل بیت کے فضائل میں تین لاکھ روایات وضع کیں۔

اسی بنیاد پر یہ فرقہ کذب علی الرسول میں بہت مشہور ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) کہا کرتے تھے:

(الدین لاهل الحدیث والکذب للرافضة) (دین اہل حدیث کے پاس ہے اور کذب روافض کے پاس)

امام شافعی کہا کرتے تھے:

ما فی اهل الاهواء اشهد بالزور من الرافضة (نفس پرستوں میں روافض سے زیادہ کوئی جھوٹ نہیں بولتا)

اس مذہب کی سب سے مشہور اور فتنہ انگیز "غدیر خم" والی روایت ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو آپ نے تمام اصحاب کو مقام "غدیر خم" پر اکٹھا کر کے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

هذا وصیی واخی والخلیفة من بعدی فاسمعوا له واطیعوا (یہ میرا وارث اور بھائی ہے اور میرے بعد خلیفہ ہوگا تو تم سب اسکی بات سننا اور اطاعت کرنا)

اس روایت کا سوائے اس فرقے کے دوسرا ایک بھی راوی نہیں۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ آپ نے حضرت علی کیلئے ایسا کچھ فرمایا ہوتا تو صحابہ کی کیا مجال کہ آپ کی کسی بھی بات کی حکم عدولی کرنے کی جرأت کرتے۔ بلکہ ابن عساکر نے بیان کیا کہ حضرت

حسن بن علی بن ابی طالب جب بصرہ تشریف لائے تو ان کے پاس ابن الکواء اور قیس بن عبادہ آکر کہنے لگے کہ کیا آپ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلافت سے متعلق کوئی عہد ہے۔ تو حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ میرے پاس ایسا کوئی عہد نہیں۔ اگر خلافت سے متعلق نبیؐ کا میرے پاس کوئی فرمان ہوتا تو میں ابو بکر و عمر کو منبر رسولؐ پر ہرگز کھڑا ہونے نہ دیتا اور انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتا۔

اس فرقہ نے جو دوسری روایات وضع کیں انکی مثال مندرجہ ذیل روایات ہیں

ستکون فتنة فان ادرکها احد منکم فعلیه بخصلتین کتاب الله وعلی بن ابی طالب (عنقریب میرے بعد فتنہ ہوگا اگر تم میں سے کوئی اسے پائے تو اس پر دو چیزیں لازم ہوں گی ایک کتاب اللہ دوسرے حضرت علی بن ابی طالب (کی اتباع)

من لم یقل علی خیر الناس فقد کفر (جس نے حضرت علی کو تمام لوگوں میں بہتر نہ کہا اس نے کفر کیا)

فرقہ روافض نے نہ صرف اپنی تائید میں حدیثیں کیں بلکہ فریق مخالف کی تنقیص میں بھی بہت سی حدیثوں کو گھڑا جیسے

لکل امة فرعون وفرعون هذه الامة معاویة بن ابی سفیان (ہر امت کے لئے ایک فرعون ہوتا ہے اور میری امت کا فرعون معاویہ بن ابی سفیان ہوگا)

مخالفین علی اور موضوع روایات

روافض کی طرف سے جو موضوع روایات خاندان بنو امیہ اور ان کی حکومت کے خلاف وضع کی گئیں اس کا جواب برسر اقتدار جماعت کی طرف سے موضوع روایات کی شکل میں دیا گیا۔ جیسے مندرجہ ذیل روایات:

الامناء عند الله ثلاثة انا وجبریل ومعویة (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے امین تین ہیں (۱) میں (۲) جبریل (۳) معاویہ)

قال علی بینا انا جالس بین یدی النبی صلی الله علیه وسلم اکتب اذ جاء معویة

فاخذ القلم من یدی فدفعہ الی معٰویۃ رضی (حضرت علی نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا لکھ رہا تھا کہ اچانک معاویہ آ گئے۔ آپؐ نے میرے ہاتھ سے قلم لیکر معٰویہ کو دیدیا۔)

بنوعباس اور وضع حدیث

بنوعباس بھی خاندان بنوامیہ کو خلافت سے الگ کر کے اپنی خلافت قائم کرنے کیلئے کوشاں تھے۔ انہوں نے اسکی کوشش پہلی صدی کے نصف سے ہی شروع کر دی تھی اس جماعت کے نمائندے اسلامی ریاست کے طول و عرض میں پھیل گئے تھے اور حکومت وقت کی نظروں سے چھپ چھپ کر کبھی تاجروں کے بھیس میں شہر شہر جا کر اسکی تبلیغ کرتے اور کبھی احرام باندھ کر دور دراز کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے حجاج کے سامنے اپنا مدعا رکھتے اور ان سے حمایت کے طالب ہوتے۔ یہ تحریک کم و بیش تین چوتھائی صدی تک مستقل کام کرنے کے بعد سنہ ۱۲۹ھ میں جب کافی حد تک مضبوط ہو گئی تو عباسیوں نے بنوامیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ ادھر عرصہ سے چلی آ رہی دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں عوام کے قلوب عباسی خلافت قبول کرنے کیلئے پوری طرح مستعد ہو چکے تھے۔ چنانچہ ابوالعباس سفاح نے جب سنہ ۱۳۲ھ میں کوفہ کی مسجد میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو عوام نے آل عباس کی خلافت کو برملا تسلیم کر لیا اور اس طرح آناً فاناً خلافت بنوامیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

عباسیوں نے اپنی تحریک مضبوط بنانے کے لئے موضوع روایات کا سہارا لیا اور انہیں پریس کی طرح استعمال کیا۔ چنانچہ انہوں نے بڑی تعداد میں عباسیوں کی خلافت کی پیشگوئی کرنے والی اور ساتھ ہی بنوامیہ کی خلافت سے نفرت پیدا کرنے والی روایات کو وضع کر کے عوام میں مشتہر کر دیا۔ جس کے کچھ نمونے درج ذیل ہیں۔

مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعباس وھو نائم فحرکہ برجلہ فلما قعد قبض بین عینیہ وقال یا عم بی ختمت النبوۃ وبولدک تختم الخلافۃ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حضرت عباس کے پاس سے ہوا وہ سو رہے تھے۔ آپؐ نے انہیں پاؤں کی حرکت سے جگایا۔ حضرت عباس، اٹھے تو انکی پیشانی پر شکن تھے آپؐ نے فرمایا۔ اے چچا مجھ پر نبوت ختم ہو گئی اور تیری اولاد پر خلافت ختم ہو گی)

عن ابی سعید بن مسیب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اُریت بنی امیہ فی صورۃ القردۃ والخنازیر یصعدون منبری فشق ذلک علی فانزلت انا انزلناہ فی لیلۃ القدر (حضرت ابوسعید بن مسیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے بنوامیہ بندر اور خنزیر کی صورتوں میں میرے منبر پر چڑھتے دکھائے گئے یہ مجھ پر بہت بھاری گذرا تو اللہ نے یہ سورۃ نازل فرمائی "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر")

دلچسپ بات یہ ہے کہ بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے خلافت آل علی کیلئے شیعہ بھی کوشاں تھے مگر بنوعباس نے انہیں مشترکہ مقصد اور ہاشمیت کی بنیاد پر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور شیعوں کی طرف سے خلافت کے مطالبہ کو روکنے کے لئے بنوعباس نے حضرت علی بن ابی طالب اور انکے اہل خانہ کے نام پر ایسی روایات وضع کیں جسے سن کر شیعوں کے حواس سن ہو گئے۔ جیسے مندرجہ ذیل روایات۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للعباس وعلی عندہ یکون الملک فی ولدک ثم التفت الی علی فقال لا یملک احد من ولدک

(حضرت ابن عباس نے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا اس وقت حضرت علی بھی وہاں تھے، کہ خلافت تیری اولاد سے ہو گی۔ پھر آپؐ حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرمایا کہ تمہاری اولاد میں سے کوئی بھی اسکا مالک نہیں ہو گا

قالت ام سلمۃ کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتذاکروا الخلافۃ فقالوا لولد فاطمۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن یصلوا الیہا ابدا ولکنہا فی ولد عمی

(حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی لوگوں نے خلافت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ حضرت فاطمہ کی اولاد میں سے اس کے مالک ہوں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت اولاد فاطمہ کو کبھی نہیں ملے گی بلکہ میرے چچا کی اولاد کو ملے گی۔

قومی اور قبائلی عصبیت

دور بنو امیہ میں حکومت کی باگ ڈور صرف امویوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ان میں بعض کا نسلی اور قومی تعصب غیر امویوں اور غیر عرب کیلئے اس حد تک بڑھا کہ وہ انہیں اپنے سے کمتر سمجھنے لگے۔ برسر اقتدار طبقہ کی اس پالیسی کو عجمی قبائل نے جن میں زیادہ تر لوگ فارسی النسل تھے محسوس کیا اور رد عمل کے طور پر غیر عرب بھی نسل اور قومیت کو اہمیت دینے لگے اور آہستہ آہستہ حکومت مخالف تحریکوں میں شامل ہونے لگے۔ جب بنو عباس نے بنو امیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو یہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس طرح عباسیوں نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر خلافت بنو امیہ کا خاتمہ کر دیا۔

فرس ایک ترقی یافتہ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک زمانہ تک وہ عرب کے حاکم رہ چکے تھے۔ عراق و یمن وغیرہ انکے ماتحت تھے۔ لیکن جب عربوں نے ان کی حکومت کو ان سے چھین لیا تو وہ عرب کے محکوم ہو گئے اور مزید یہ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بنو امیہ نے ان کے ساتھ برابری کا برتاؤ نہیں کیا تو ان کی نہ صرف بنو امیہ بلکہ پوری عرب قوم سے دشمنی کی انتہا نہ رہی۔ عباسی حکومت نے خلافت حاصل کرنے کے بعد انہیں اعلیٰ مناصب سے نوازا تو ان کی عداوت انتقام میں بدل گئی۔ تیسری صدی ہجری میں ان کا نسلی اور قومی تعصب عرب کے خلاف اور بھی بڑھ گیا۔ بنو عباس نے انہیں پورے طور پر اسکی چھوٹ دے رکھی تھی بلکہ وہ فرس کے مقابلہ میں عرب کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے خلفاء بنو عباس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عربوں کی ہجو کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ عربوں کی تنقیص ان کے شعراء

کا موضوع اور ان کے خطبہ کی زینت ہوتا۔ عربوں کے خلاف کتب بھی تصنیف کیں اس کے ساتھ اپنی قوم، بلدان اور علماء کے مفاخر بیان کرنے میں موضوع حدیثوں کا سہارا لیا جسکی مثال مندرجہ ذیل روایات ہیں۔

۲۲ ان اللہ اذا غضب انزل الوحی بالعربیۃ واذا رضی انزل الوحی بالفارسیۃ

(اللہ جب ناراض ہوتا ہے تو عربی زبان میں وحی نازل کرتا ہے اور جب خوش ہوتا ہے تو فارسی زبان میں وحی نازل فرماتا ہے۔)

ان للہ بخراسان مدینۃ یقال لہا مرو اسسہا اخی ذو القرنین وصلی فیہا عزیر ۔ ۔ ۔ ۔ وان للہ بخراسان مدینۃ یقال لہا الطالقان وان کنوزہا لا ذہب ولا فضۃ ولکن رجال مومنون ۔ ۔ ۔ ۲۳

(خراسان میں ایک شہر ہے جس کا نام مرو ہے اس کی بنیاد ذوالقرنین نے رکھی اور پیغمبر حضرت عزیر نے اس میں نماز ادا کی۔ ۔ ۔ خراسان میں ایک ایسا شہر ہے جس کا نام طالقان ہے اسکے خزائن سونے اور چاندی کے نہیں بلکہ اس کے مومن لوگ ہیں)

ان خود ساختہ حدیثوں کا جواب بعض متعصب عرب کی طرف سے مندرجہ ذیل روایات کی شکل میں دیا گیا۔

۲۴ احبوا العرب لثلاث انی عربی والقرآن عربی وکلام اہل الجنۃ عربی

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) عرب سے تین باتوں کی بنیاد پر محبت کرو (۱) میں عربی ہوں (۲) قرآن عربی زبان میں نازل ہوا (۳) اہل جنت کا کلام عربی ہوگا۔ العرب سادات العجم (عرب عجمیوں کے حکمراں ہیں)۔

زنادقہ اور وضع حدیث

زنادقہ زندیق کی جمع ہے۔ زندیق مطلق طور پر مذاہب عجم کی اعلانیہ پیروی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ عہد عباسیہ میں اس سے مجوس اور خاص طور پر مانی مذہب کے ماننے والے کو مراد لیا جاتا تھا پھر

اس لفظ کے معانی میں وسعت پیدا ہوئی اور ہر اس ملحد شخص کیلئے استعمال ہونے لگا جو بظاہر مسلمان ہو مگر در پردہ مجوسی یا مانی عقیدہ کا پیروکار ہو۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ لفظ اسلام سے مطلق بغض و عناد رکھنے والے ہر قسم کے ملحد اور لامذہب و دشمن دین شخص کیلئے استعمال ہونے لگا۔

اسلام میں زندقیت کی ابتداء اس وقت ہوئی جب عربوں نے عجم کو فتح کیا اور عجمیوں نے عربی قوت کا مقابلہ کی طاقت نہ پاکر طوعاً و کرہاً اسلام کو قبول کر لیا۔ اس وقت انہیں میں سے ایک جماعت ایسی وجود میں آئی جو دل سے تو اپنے مذہب مجوس و مانی پر قائم تھی مگر بظاہر یہ مسلمان تھے۔ ان لوگوں کو عرب اور مذہب اسلام سے سخت نفرت تھی اور قرآن سے حد درجہ بغض و عناد تھا۔ اس لئے جب بھی ان کو موقع ملا وہ اس پر بدترین اتہام لگانے سے بھی انہوں نے دریغ نہیں کیا۔ بنو امیہ کے پورے دور خلافت میں تو انہیں سر اٹھانے کا موقع نہیں ملا بلکہ اس عہد میں انہیں امویوں کے نسلی اور قومی تعصب کا شکار ہونا پڑا یہی وجہ ہے کہ سیاسی طور پر اس جماعت کا جھکاؤ بنو امیہ کی مخالف تنظیم کی طرف تھا۔ اسی لئے ان لوگوں نے اموی حکومت کے خلاف اٹھنے والی عباسی تحریک کا کھل کر ساتھ دیا۔ جب بنو عباس برسر اقتدار آئے تو انہیں حکومت میں حصہ دار بنایا گیا اور اونچے اونچے مناصب سے نوازا گیا۔ چنانچہ یہی ان کے پھلنے پھولنے کا سبب بنا۔

ان لوگوں کی تعداد عراق میں سب سے زیادہ تھی۔ بصرہ جو اسلامی سلطنت کا سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا اس میں غیر عربی النسل لوگ کثرت سے آباد ہو گئے تھے رفتہ رفتہ نسلوں کے امتزاج سے بنو امیہ کے زمانہ کا تمسک بالقرآن والا بصرہ بالکل بدل گیا۔ ادھر عہد عباسی میں اسلام کے مختلف مسائل پر طرح طرح کی فلسفیانہ بحثیں شروع ہو گئیں اور بے شمار حکمت و فلسفہ کی کتابوں کے ترجمے ہونے شروع ہو گئے۔ وقت کے بڑے بڑے علماء بھی ان بحثوں میں حصہ لینے لگے تو زنادقہ کو حکمت

و فلسفہ کی آڑ میں اپنے مذہب کی ترویج کا موقع مل گیا۔ اس کے لئے ان کے پاس سب سے سہل الحصول اور آسان نسخہ موضوع حدیثوں کی اشاعت کا تھا۔ انہوں نے حدیث کے نام پر مجوسی اور مانی عقائد کو عام کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا جس سے بہت سے عرب بھی متاثر ہو گئے۔

انہیں زنادقہ میں عبدالکریم ابن العوجاء بھی تھا جسے امیر بصرہ محمد بن سلیمان بن علی العباسی نے زمانہ مہدی (۱۵۹-۱۶۹ھ) میں قتل کیا۔ قتل کے وقت اس نے چار ہزار حدیثوں کو وضع کرنے کا اقرار کیا جس میں اس نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا تھا۔[27] مہدی ہی کے زمانہ میں ایک دوسرے زندیق نے چار سو حدیثوں کو وضع کرنے کا اقرار کیا جو عوام میں مشہور ہو چکی تھیں۔[28]

خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں ایک زندیق کو گرفتار کیا گیا اور بعد قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو زندیق نے کہا کہ تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو۔ ہارون نے کہا کہ اللہ کے بندوں کو تجھ سے چھٹکارہ اور راحت دلانے کیلئے۔ تب زندیق نے کہا:

این انت من الف حدیث وضعتہا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلہا ما فیہا حرف نطق بہ[29]

(کیا آپ کو ایسی ایک ہزار حدیثوں کے بارے میں بھی خبر ہے جنہیں میں نے رسول ﷺ کے نام پر وضع کیا جس میں رسول ﷺ کا ایک لفظ بھی نہیں شامل۔)

انہیں زنادقہ میں محمد بن سعید المصلوب بھی تھا جو کہا کرتا تھا:

لا باس اذا کلام حسن ان وضع لہ اسناد[30]

(کلام حسن کے لئے سند وضع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یعنی کسی اچھی بات کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنا کوئی برا فعل نہیں)

اسی طرح ابن سمعان النہدی اور مغیرہ بن سعید الکوفی وغیرہ نہ صرف حدیثوں کو وضع کرتے تھے بلکہ جو احادیث صحیح ہوتی تھیں انہیں بھی بگاڑ دیتے تھے۔ ابن الجوزی

نے فرمایا۔

وقد کان فی ھؤلاء الزنادقۃ من یغفل الشیخ فیہ دس فی کتابہ ما لیس من حدیثہ فیرویہ الشیخ ظنا منہ انہ من حدیثہ

(ان زنادقہ میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے شیخ کی کتابوں میں دسیسہ کاری کرتے رہتے تھے اور شیخ ان حدیثوں کو اپنی حدیث سمجھ کر اسکی روایت کر دیتے)

زنادقہ نے اسلام کے خوشنما اور صاف چہرے کو مسخ کرنے کیلئے پوری پوری کوشش کی انہوں نے مذہب اسلام میں حدیث کے نام پر بہت سی بیہودہ باتیں اور مضحکہ خیز اوہام اور اساطیر جاہلیت کو شامل کر دیا۔ ان لوگوں نے طب اور اخلاق علاوہ اسلام میں حلال وحرام، نظر بد، اوہام، اچھے برے شگون، اسلام کے پامال ہونے کی آرزوئیں، اصحاب رسول پر طعن وافتراء، قرآن کو ناقص بتانے اور اس کی تاویل بیک جیسے موضوعات کو اپنی جولان گاہ بنایا اور ایک ایک موضوع پر ہزاروں کی تعداد میں حدیثیں وضع کر ڈالیں۔ اس فرقہ کی بابت مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں۔

ھذہ الفرقۃ تشابھت الیھود والنصاری حیث حرفوا الکتب الالٰھیۃ واسقطوا منھا ما شاؤا وکتبوا بایدیھم فیھا ما شاؤا وقالوا ھذا من عند اللّٰہ

(یہ فرقہ وضع حدیث میں یہود ونصاریٰ سے مشابہت رکھتا ہے جنہوں نے کتب الٰہیہ میں تحریف کی جو چاہا اس میں سے ساقط کر دیا اور جو چاہا خود سے لکھ کر کہہ دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے)[31]

اس فرقہ نے کم از کم چودہ ہزار مختلف عنوانات کے تحت حدیثوں کو وضع کیا۔

اختلاف متکلمین (معتزلہ) اور اہل حدیث

سب سے پہلا اختلاف اہل کلام (متکلمین) اور اہل حدیث کے درمیان بصرہ میں اس وقت ہوا جب اہل کلام نے عقل کو اصول دین وعقائد اسلام میں حکم ٹھہرایا۔ اہل کلام میں سب سے پہلا شخص واصل بن عطاء (م ۱۳۱ھ) ہے

حالانکہ اس کے استاد حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ) تھے مگر واصل نے عقل اور فلسفہ کی بنیاد پر اپنے استاد سے اختلاف کیا اور ایسے اصول بیان کئے جن سے نہ صرف حضرت حسن بصری اختلاف کرتے تھے بلکہ مذہب سلف کے بھی خلاف تھے۔ اس اختلاف کی بنیاد پر واصل نے اپنا ایک الگ مکتبۂ فکر قائم کر لیا اس وقت سے واصل کے ہم خیال لوگوں کو معتزلہ کہا جانے لگا۔

واصل کے بعد عمرو بن عبید (م ۱۴۴ھ) ابوالہذیل العلاف (م ۲۳۵ھ) نظام (م ۲۳۱ھ) بشر مریسی (م ۲۱۸ھ) عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۲۵ھ) وغیرہ نے اس فرقہ کی رہنمائی کی۔

اس فرقہ کے بنیادی عقائد درج ذیل ہیں۔

(۱) افعال عباد بندوں کے خود کے پیدا کردہ ہیں جن کا خالق اللہ نہیں۔ جسکی بنیاد پر بندہ ثواب وعقاب کا مستحق ہوتا ہے[33]

(۲) اللہ کی صفات جیسے سمع، بصر، حیات، قدرت اور کلام اللہ کی ذات سے الگ اشیاء ہیں[34]

اس اصولی اختلاف کی بنیاد پر دوسرے مسائل میں بھی اختلاف متفرع ہوا۔ ان میں سب سے اہم مسئلہ خلق قرآن کا تھا۔ جمہور علماء چونکہ کلام خدا کو قائم بالذات مانتے ہیں اس لیے وہ کلام اللہ یعنی قرآن کو بھی قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں۔ معتزلہ کے مطابق اللہ نے قرآن کے حروف واصوات کو ایک حادث ہونے والے جسم کی شکل میں پیدا کیا ہے۔ جسے نبی نے سنا تھا۔ لہٰذا قرآن مخلوق ہے۔ سب سے پہلے جس نے قرآن کو مخلوق کہا وہ الجعد بن درہم (م ۱۲۰ھ) ہے اور پھر جہم بن صفوان اور بشر بن غیاث ہیں۔

معتزلہ عام طور پر دینی امور جیسے عقائد اور احکام اسلام میں عقل کو حکم مانتے تھے ان کا وجود اگرچہ حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کے زمانے سے ہوا مگر یہ اپنی رائے کو تیسری صدی میں خلیفہ مامون سے پہلے لوگوں کے سامنے اظہار کرنے سے ڈرتے تھے۔

خلیفہ مامون طبعی طور پر کتاب و سنت کا عالم تھا مگر اسے حکماء فرس کے اقوال اور فلسفہ یونان سے بھی دلچسپی تھی۔ اس نے ان کتابوں کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا جن کا ترجمہ منصور اور رشید کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ مامون نے مسند خلافت پر آنے کے بعد بہت سا مال و زر خرچ کر کے اس کام کو مزید فروغ دیا نتیجہ میں بہت سی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں منتقل ہوئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں اس علم کی بڑی قدر ہوئی اور علماء کو بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ مگر اس ترقی کے ساتھ علماء بھی دو جماعتوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک وہ جنہیں علم فلسفہ سے دلچسپی تھی اور دوسرے اہل حدیث جو ان کے عقائد سے متفق نہ تھے۔ خلیفہ مامون نے جب یہ اختلاف دیکھا تو اس نے علماء میں باہمی اختلاف اور منافرت ختم کرانے کے لئے مناظرہ کا طریقہ اختیار کیا تاکہ اس میں اتفاق رائے سے طے شدہ امر پر امت کو متحد کیا جا سکے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف شدید تر ہوتا چلا گیا۔

مامون چونکہ خود علم فلسفہ سے دلچسپی رکھتا تھا اس لئے وہ بعض باتوں میں معتزلہ کی رائے سے اتفاق کرتا تھا جس میں ایک مسئلہ خلق قرآن کا بھی تھا[۳۵]

۲۱۲ھ میں مامون نے اپنی رائے کا عوام میں اعلان کرا دیا یہ سوچ کر کہ تمام علماء ان کے فیصلہ کو تسلیم کر لیں گے مگر اہل حدیث طبقہ نے اسکی رائے کو نہ صرف مسترد کر دیا بلکہ مامون پر ابتداع کا الزام مزید لگا دیا۔ جب ان میں بعض علماء نے کفر تک کا فتویٰ دے دیا۔ اور یہ فتویٰ ہر اس شخص کیلئے بھی قرار پایا جو قرآن کو مخلوق کہے جس سے حالات اور بھی بد تر ہو گئے۔ ادھر مامون کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے ۲۱۸ھ میں تمام قاضیوں اور علماء کے پاس سرکاری حکم نامہ بھیج دیا کہ وہ قرآن کو غیر مخلوق کہنے کی غلطی کی اصلاح کر لیں ورنہ سخت سزا کیلئے تیار ہو جائیں۔ اس حکم کو اکثر و بیشتر لوگوں نے تو قبول کر لیا مگر طبقہ اہل حدیث نے نہیں مانا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے علماء قتل کرا دیئے گئے یا جیل میں ڈال دیئے گئے۔

مامون نے اپنے بعد اپنے بھائی معتصم کو اہل حدیث سے سختی سے پیش آنے کی وصیت کی چنانچہ معتصم نے ایسا ہی کیا۔ معتصم کے دور میں بھی اہل حدیث علماء بڑی تعداد میں قتل کئے گئے اور ان کے ساتھ نہایت ذلت اور اہانت کا سلوک روا رکھا گیا۔ انہیں علماء میں امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں جنہوں نے حکومت کے مذہب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں انہیں سخت آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔

معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق برسر اقتدار آیا۔ اس نے بھی وہی طریقہ اپنایا جو اس کے پیش رو نے اختیار کیا تھا۔ لیکن اس نے اواخر عمر میں توبہ کی اور علماء اہل حدیث کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا اور انہیں عطایا و اکرامات سے نوازا اور ان پر صفات اور رویت باری تعالیٰ سے متعلق احادیث پر لگی پابندی کو اٹھا لیا۔

اس لمبے عرصہ تک چلنے والی لڑائی کے اثرات حدیث تک پہونچنا ایک ناگزیر امر تھا بعض جہلاء نے اہل حدیث کے موقف کی تائید میں حدیثیں وضع کیں جیسے: القرآن کلام اللہ لا خالق ولا مخلوق من قال غیر ذالک فھو کافر[۳۶]

(قرآن اللہ کا کلام ہے نہ ہی وہ خالق ہے اور نہ مخلوق جس نے اس کے سوا کوئی دوسری بات کہی اس نے کفر کیا)

من قال القرآن مخلوق فقد کفر[۳۷] (جس نے قرآن کو مخلوق کہا اس نے کفر کیا)

خلفاء اور امراء کی خوشنودی

وضاعین حدیث میں ایک قسم ان بے دین لوگوں کی ہے جو خلفاء اور امراء کو خوش کرنے کیلئے موقع کی مناسبت سے حدیث وضع کرتے تھے۔ جیسے غیاث بن ابراہیم جب خلیفہ مہدی سے ملنے کیلئے گیا۔ مہدی اس وقت کبوتروں سے کھیل رہا تھا۔ غیاث نے موقع کی مناسبت سے ایک حدیث وضع کر کے سنا ڈالی۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا سبق الا فی نصل او حافر او جناح[۳۸]

(نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسابقت صرف نیزہ بازی، اونٹ یا گھوڑے یا پرندہ میں ہے)

"عالم اسلام استشراق وتنصیر کے نرغے میں"

عربی سے ترجمانی اور ترتیب محمد عطریف شہباز فلاحی ندوی

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ استشراق وتنصیر مغربی استعمار کے دو اہم ذرائع ہیں، جو عالم اسلام میں جس کی اکثر ریاستیں اور ممالک عسکری اور سیاسی طور پر آزاد یا نیم آزاد ہو چکے ہیں، اور خصوصاً مشرق وسطی میں مغربی استعمار کے تعاون رہنمائی اور قیادت کا کام انجام دے رہے ہیں، عالم اسلام میں ذہنی وفکری محاذ پر استعمار کے ایجنٹ اور آلہ کار عناصر بڑی تعداد میں موجود ہیں جو یا تو مشنریز کے براہ راست تربیت یافتہ ہیں یا انکی تعلیمی وثقافتی وفکری سرگرمیوں کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں، یہ عناصر اسلامی اور عربی وحدت کے لئے ایک مستقل خطرہ ہیں، جو مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ مغرب کے ان ایجنٹ اور آلہ کار عناصر کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ امت کا رشتہ اس کے ماضی کے روحانی، ثقافتی اور تاریخی ورثہ سے کاٹ دیں۔ اس کام کی تربیت انہیں مغربی مستشرقین اساتذہ نے دی ہے۔ یہ لوگ اس ورثہ کے انکار واستخفاف اور مذمت کے راستہ پر چل رہے ہیں۔ جبکہ ان کے مغربی اساتذہ جن میں چوٹی کے علماء ومفکرین اور مستشرقین کے سرخیل شامل ہیں، جنہوں نے اپنے زعم میں اسلام کی تجدید کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے اور اسی لئے انہوں نے اسلامی وعربی علوم وفنون کو اپنی بحث وتحقیق اور غور وفکر کا موضوع بنایا ہے، ان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے مشرقی شاگردوں کے انکار واستخفاف کو علمی بحثوں اور اکیڈمک تحقیقات کا رنگ دیتے ہیں، اور صحافت، رسائل وجرائد کے ذریعہ اور مشرقی وعربی اور اسلامی جامعات میں محاضرات کی صورت میں یا مغربی جامعات

کے مشرقی اور اسلامی علوم سے متعلق شعبوں میں اپنے ان مزعومات کی نشر واشاعت کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ نوآبادیات کے وزراء کے واسطے سے، سیاسی پلیٹ فارم سے، سیاسی کانفرنسوں، اجتماعی واقتصادی اور علمی اداروں اور دوسرے وسائل سے بھی کام بڑے پیمانے پر انجام دیا جا رہا ہے، اب تنصیر استشراق کا ایک مرحلہ ہو یا استشراق اس کا سرا دل، بہرحال یہ طے ہے کہ تنصیر نے اپنی تمام تر تعلیمی اقتصادی ثقافتی اور طبی سرگرمیوں کو اور ٹیکنیکل اداروں، اور نرسری سطح سے لیکر ابتدائی ثانوی مراحل میں نظام تعلیم وتربیت کو اپنے مقاصد کیلئے چابکدستی سے استعمال کیا ہے۔ مزید برآں تنصیر نے رفاہ عام اور سماجی فلاح وبہبود کے ادارے قائم کرکے جن میں چلتے پھرتے ہسپتال مفت ڈسپنسریاں، بڑے بڑے پناہ گزین کیمپ، یتیم خانے، گرے پڑے بچوں کی کفالت کے ادارے شامل ہیں انہیں اپنے مقصد تک پہونچنے کا ذریعہ بنایا، جبکہ استشراق نے، مقالات، محاضرات تدریس، عربی واسلامی کانفرنسوں میں شرکت اور مختلف عربی علوم وفنون میں تحقیق کا اسلوب اختیار کیا، جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے تو مستشرقین اور مشنریز کا کلی طور پر مشترک مقصد استعمار کی راہ ہموار کرنا اور اس کے قدم جمانا ہے، ان کا خلاصہ ذیل کے چند عناوین کے تحت آجاتا ہے۔

(۱) وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرنا اور مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کرنا۔

(۲) یہ دعوی کہ فکر اسلامی اصلاً یونانی فکر ہے جسے عربی قالب میں ڈھال دیا گیا ہے۔ اور اسلامی تہذیب کے روشن نقوش اور تابندہ اوراق سب یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ہیں۔

(۳) اسلام اور اسکے قیم ومبادی اور تصورات کی تصویر بگاڑ کر پیش کرنا۔

(۴) یہ دعوی کرنا کہ عربی زبان پس ماندہ اور فرسودہ ہو چکی ہے اور زمانے کے مطالبات اور نئی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتی، لہذا فصحی کو ترک کرکے عامی کو رواج دینا چاہیئے اور عربی رسم الخط کو بدل کر لاطینی رسم الخط اختیار کرنا

چاہئے جیسا کہ ترکی میں عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی حروف نے لی۔

(۵) عالم عربی میں مختلف عنصری اور وطنی و نسلی عصبیتیں زندہ کرنا۔ چنانچہ ماضی قریب میں مصر کے اندر فرعونیت کا احیاء، عراق میں آشوری تہذیب کے احیاء کی کوشش، لبنان و فلسطین کا فنیقی تہذیب کے نعرے لگانا، شمالی اور مغربی افریقہ میں بربری عصبیت کا زندہ ہونا اسی منصوبہ کی کڑیاں تھیں، یہ واضح رہے کہ استشراق و تنصیر کے ذیلی ادارے آج بھی عالم اسلامی کے مختلف ملکوں اور حصوں میں مدارس و جامعات کی مختلف سطحوں اور مختلف مقدس و غیر مقدس ناموں کے تحت اپنی سرگرمیاں تندہی سے جاری رکھے ہوئے ہیں اس سلسلہ میں افریقہ کے بعد ایشیائی مسلم ملکوں میں انڈونیشیا اور بنگلہ دیش اپنی اقتصادی بدحالی، سیاسی عدم استحکام اور عمومی غیر یقینی صورت حال کی بناپر ان سرگرمیوں کا خاص نشانہ بنے ہوئے ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ استشراق تنصیر ہی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ مستشرقین کی اپنی تصریحات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں، لارنس براؤن (LAWRANCE BROWN) کہتا ہے "اگر مسلمان کسی ایک بڑی عربی حکومت کے تحت متحد ہو گئے تو دنیا کے لئے ایک لعنت بن جائیں گے، لیکن اگر منتشر رہے تو وہ بلا تاثیر رہیں گے"[۱]

[۱] مجلہ عالم اسلامی جو مستشرقین کی طرف سے انگریزی میں صادر ہوتا ہے، لکھتا ہے "یورپ اور مغربی دنیا پر ایک قسم کا خوف طاری ہے، اور یہ خوف بلاوجہ نہیں، اس کے کچھ اسباب ہیں، مثلاً یہ کہ اسلام جب مکہ میں ظاہر ہوا اور عددی لحاظ سے اس میں کمی نہیں بلکہ مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہا، اور یہ کہ اسلام فقط ایک مذہب ہی نہیں بلکہ اس کے بنیادی ارکان میں جہاد بھی ہے، نیز یہ بھی کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی قوم نے اسلام قبول کرنے کے بعد پھر نصرانیت قبول کر لی ہو۔

[۲] مشہور مستشرق بیکر (BECKER) لکھتا ہے "اسلام اور نصرانیت میں

دائمی دشمنی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عصور وسطی میں اسلام نے مسیحیت کی اشاعت کو روک کر اس کے سیاسی اقتدار کا بھی خاتمہ کر دیا تھا[۱] نیز امریکی یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے کہا تھا کہ "اگرچہ تنصیر کا نشانہ ہندو اور یہودی وغیرہ غیر مسلم بھی ہیں لیکن اصل ہدف مسلمان ہیں اس سلسلہ میں تعلیم ہمارے لئے سب سے اچھا وسیلہ ثابت ہوتی ہے، اور مسٹرزیر کو لبنان اور سوریا کو مسیحی بنانے میں کافی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ایک بڑے فرانسیسی مفکر اور مستشرق نے "الاسلام المتنصر" (اسلام مسیحیت کی شکل میں) کے عنوان سے ایک رسالہ بھی لکھ ڈالا[۲]

استشراق اور تنصیر کی اس تحریک کو ترک عثمانی خلافت کے عہد ہی میں کافی اثر و نفوذ حاصل ہو چکا تھا، اور عالم اسلام کے ثقافتی، اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی معاملات میں مختلف ناموں سے موسوم جمعیتوں، سوسائٹیوں اور انجمنوں کے ذریعہ مسیحی علماء و دعاۃ بڑی حد تک دخیل ہو گئے تھے، جن میں ماسونیت، بہائیت، لیونز، روٹاری وغیرہ خاص ہیں۔ جو محبت، سلامتی اور اخوت کے خوشنما الفاظ کا لبادہ اوڑھ کر جسد اسلامی میں زہر پھیلانے میں مصروف تھیں مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ تنصیر چاہے وہ علمی و عملی کسی بھی شکل میں ہو اس کی غرض محض چند خصوصی عبادات کی ترویج نہ تھی بلکہ اصل غرض و غایت مختلف تعلیمی و سماجی سرگرمیوں کے ذریعہ بت پرستوں کو براہ راست اور کمزور قسم کے یہودیوں اور ان مسلمانوں کو جن کا اسلامی نام رکھنا بھی ظلم ہے بالواسطہ عیسائی بنانا تھا۔ کتاب "دین حق کی تلاش" جو ۱۹۲۶ء میں پیرس کے ایک تعلیمی ادارہ کی جانب سے شائع ہوئی اور رواں صدی کی چوتھی دہائی تک اس کے کئی اڈیشن نکل گئے، اس میں صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۲ تک خلاصہ ان الفاظ میں لکھا گیا ہے "ساتویں صدی میں اسلام ظاہر ہوا اور اس کی شکل میں مسیحیت کا ایک نیا دشمن سامنے آیا"[۳]

یہ عالم اسلام اور عالم عرب میں مشنری نقل و حرکت کے بارے میں چند مثالیں

تھیں، جہاں تک استشراق کی سرگرمیوں کا تعلق ہے تو وہ تحقیقی اکیڈمیوں، جامعات کانفرنسوں اور علمی اجتماعات، کتابوں اور معاجم وغیرہ کی تالیف کی صورت میں اور نشر واشاعت کے بڑے اداروں کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں، جو "مجلۃ الجمعیۃ الاسیویۃ" "مجلۃ الدراسات الشرقیۃ" اور مجلۃ "مشئون الشرق الاوسط" اور مجلۃ جمعیۃ الشرقیۃ الامیرکیۃ" اور مجلۃ الشرق الاوسط" اور مجلۃ العالم الاسلامی" جیسے بڑے بڑے رسائل و جرائد شائع کرتے ہیں۔

ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ مسلمان اور عرب ملکوں کے طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کیلئے مغربی ملکوں میں بھیجا جاتا ہے ایک ناگزیر اور ضروری امر ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان اور عرب ملکوں کے اندر اپنے مفادات کے لئے استعمار نے ان کا خوب استعمال کیا ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ ان کی اکثریت پر اسلامی کردار اور اسلامی فکر کے مخالف رجحانات غالب آجاتے ہیں۔ اور یہ چیز بالخصوص نوجوان نسلوں کے فکر و عقیدہ کیلئے سم قاتل ہے۔ اسی طریقہ کار کے ساتھ ہی ایک کامیاب ہتھکنڈا یہ آزمایا گیا کہ مغربی ملکوں میں جانے والے ان مسلم نوجوانوں کی مغربی اور امریکی لڑکیوں سے شادی کی حوصلہ افزائی مختلف انداز میں کی جاتی تھی، جس سے انکے قومی دینی اور اجتماعی تعلقات پر ضرب لگتی ہے۔ صلیبی جنگوں اور بعد کی مختلف انفرادی یا متحدہ جنگوں میں ناکامی اور زبردست نقصانات اٹھانے کے بعد مغربی استعمار اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ عالم اسلام سے کھلی جنگ مول لینے سے ناکامی کے علاوہ اور کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا، چنانچہ اس نے زمین دوز اور تخریبی لڑائی چھیڑ دی اور گہری سازشوں کا ایک جال بچھا دیا جن میں اہم ترین کردار استشراق اور تبشیر کا رہا۔ ایک منظم پلاننگ کے تحت اسرائیل کا شجر خبیثہ عالم عربی کے قلب میں بویا گیا اور جنگ وصلح کی حالت میں مسلسل اسکی آبیاری کی گئی، دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ مسلمانوں کو ساحلی اور اسٹریٹجک اہمیت کے حامل

علاقوں سے دور کر کے انکی زندگی کو تنگ کر دیا جائے، اور جتنا بھی ممکن ہو انہیں وسیع صحرائی علاقے اور اندرون ملک محدود کر دیا جائے، — اس سازش کے تانے بانے صدیوں پہلے بنے گئے تھے، اور اس پر دقت نظری کے ساتھ عمل بھی کیا گیا جس کی تازہ ترین مثال ۱۹۴۸ء میں سقوط فلسطین کے بعد ساحلی علاقوں سے مسلمانوں اور عربوں کے مکمل انخلا اور انکو نہر اردن کے عقب میں دھکیل دیئے کی صورت میں سامنے آئی۔ پھر اسرائیل کے سرپرست استعمار نے جب یہ دیکھا کہ فلسطینی مہاجرین کی ایک بڑی تعداد لبنان کے ساحل کا رخ کر رہی ہے تو ان لوگوں کو ہر طرح ناجائز ہتھکنڈوں سے ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا، نیز عالم عربی و اسلامی میں خانہ جنگی اور غیر مستحکم سیاسی صورت حال پیدا کرنے کی کوشش کی، آج افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، شرق اوسط کی جو حالت ہے، اور عراق و ایران کے مابین آٹھ سالہ جنگ، کویت پر عراقی جارحیت اور اس کے بعد عراق کی تباہی یہ سب مغربی استعمار کی گہری اور منظم سازشوں کا نتیجہ ہیں جن کو استعمار کے اعلیٰ دماغوں نے صدیوں پہلے ترتیب دیا تھا۔

آج استعماری طاقتیں یہود اور عیسائیوں کی ازلی دشمنی کو ختم کرانے کے لئے مسیح کو سولی دینے کے جرم سے یہودیوں کو بری قرار دینے کی کوشش کر رہی ہیں۔ جن کو روما اور وٹیکن کے مقدس مذہبی مراکز کی تائید و حمایت بھی حاصل ہے، اس سلسلہ میں وٹیکن نے ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلے ہی ۱۹۶۵ء میں ایک دستاویز بھی شائع کی۔ اس سلسلہ میں ایک اسرائیلی عالم کا ایک بیان بھی اہمیت رکھتا ہے جس میں اس نے مسیحیوں کو یہ یاد دلایا ہے کہ صلیبی جنگوں کے دوران یہودیوں نے "فرسان المعبد اور الصلیب الوردی" جیسی خفیہ اور زمین دوز تحریکوں سے عیسائی دنیا کا تعاون کیا تھا، اور ماسونیت اور اس کی یروشلیم سمیت تمام بڑے شہروں، سرحدوں، پناہ گاہوں میں پھیلی ہوئی مختلف

شاخوں کے ذریعہ صلیبی کاز اور عیسائی دنیا کی بے پناہ مالی، جسمانی اور سلاتی امداد کی تھی[۱۰] خلاصہ یہ کہ عالم اسلام آج فتنۂ استشراق وتنصیر کے نرغہ میں ہے اور ایک خطرناک صورت حال کا سامنا کر رہا ہے۔

مراجع

۱ے براؤن الاسلام والارسالیات (ISLAM AND MISSION)۔

۲ے Harban: Method of mission among muslims P. 25-20

۳ے مجلة الفیصل الثقافیة۔ الریاض، سعودیة شمارہ ۱۲۶، ص ۳۱

۴ے ایضاً

۵ے ایضاً

۶ے ایضاً

۷ے ایضاً اور التبشیر والاستعمار ص ۷۰-۹۰ ڈاکٹر مصطفی خالدی، عمر فروخ

۸ے مجلة الفیصل، ریاض سعودیة، شمارہ ۱۲۶ ص ۳۰

۹ے ایضاً

۱۰ے ایضاً

بقیہ: تحقیق کا علمی انداز و اسلوب

۹۔ البحث العلمی الحدیث — دکتور جمال الدین طاہرود، محمد احمد زیادہ۔

۱۰۔ کیف تکتب بحثا او رسالة — احمد شلبی۔

۱۱۔ کتابة البحث العلمی ومصادر الدراسات الاسلامیة — عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان۔

۱۲۔ البحث العلمی مناہجہ وتقنیاتہ — محمد زیان عمر۔

علامہ مرحوم

جاوید احسن فلاحی قطر

> محترمی ایڈیٹر صاحب "حیات نو"
>
> سلام مسنون
>
> امید ہے آنجناب بخیر ہوں گے۔ ایک مزاحیہ مضمون بعنوان "علامہ مرحوم" ارسال خدمت ہے یہ مضمون دراصل ابن انشاء مرحوم کا ہے جسے میں نے اپنے انداز میں لکھنے کی کوشش کی ہے مزید اس میں کچھ اضافات اپنی طرف سے بھی کئے ہیں۔ امید ہے یہ مزاحیہ مضمون "حیات نو" کی زینت بن سکے گا
>
> فقط
>
> جاوید احسن فلاحی
>
> ۹۶/۶/۱۵ء

اللہ دتہ نام تھا مجبور تخلص کرتے تھے ضلع امراپور کے قصبہ لنگڑا باد کے رہنے والے تھے۔ یہ قصبہ اپنے نام کی طرح آموں کے اچار اور کھٹائی کیلئے کافی مشہور ہے موصوف کی عمر ادھر تو کچھ ڈھل چکی تھی مگر جوانی میں بھی کسی جوان رعنا سے کم نہ تھے تین فٹ دو انچ سے نکلتا ہوا قد ناک ایسی کہ طوطا شرمائے پیٹ کسی مرد قلندر کی طرح باہر کو نکلا ہوا پیچھے پیچھے وہ چلتے تھے آگے آگے ان کا پیٹ فرماتے تھے کہ پیٹ نکلنے کے دو فائدے ہیں کہ اس کے سامنے اس کی تمام برائیاں ہیچ اول تو چائے کی پیالی کیلئے کسی میز کی ضرورت نہیں پڑتی دوسرے یہ کہ آدمی کی شخصیت زیادہ طرحدار اور وسیع الاطراف ہو جاتی ہے اور آنکھیں ایسی کہ محلے کے جس بچے کی طرف ایک بار دیکھ لیا وہ پھر کبھی ان کے نزدیک نہ آیا حالانکہ موصوف کو بچوں سے بڑا پیار تھا فرماتے تھے کہ یہ خدائی دین ہی تو ہے جو لوگ میرے قریب آنے سے گھبراتے ہیں چشمہ بھی لگاتے تھے مگر عام لوگوں کی طرح

وہ چشمے کے پابند نہ تھے عموماً چشمہ کے اوپر سے دیکھتے تھے۔

موصوف کا پیشہ تدریس تھا وہ قصبہ کے اکلوتے ہائی اسکول میں اردو کے ٹیچر تھے اور اپنی اردو دانی پر انہیں اس قدر ناز تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے طالب علموں کے سامنے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اردو اگر آج زندہ ہے تو ہمارے دم سے اردو کے یگانۂ روزگار شعراء کے بارے میں انکا تبصرہ ہم جیسی جماعت کے طالب علموں میں سند کی حیثیت رکھتا تھا غالب کے سلسلہ میں ان کا خیال تھا کہ اپنے زمانے کے لحاظ سے بہتر کہتے تھے اقبال پر تبصرہ فرماتے تھے کہ شعر کہنے کی صلاحیت تو تھی مگر اسے استعمال نہیں کیا گیا اور داغ کو تو وہ اردو شاعری پر ایک داغ بتاتے تھے۔

علامہ یوں تو اردو کے ٹیچر تھے مگر عربی فارسی اور انگریزی میں بھی سند ہی کی حیثیت رکھتے تھے عربی میں تو انکی مہارت کا یہ عالم تھا کہ بات بات میں انشاء اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ سے لیکر سبحان اللہ الحمدللہ اور انا للہ وانا الیہ راجعون تک تمام عربی کلمات کا استعمال فرماتے تھے اور حسب ضرورت ناواقفوں کے لئے ترجمہ بھی فرما دیا کرتے تھے فارسی میں مہارت تو یوں پیدا ہوگئی تھی کہ اُن کے لکڑ دادا کے لکڑ دادا کے سکڑ دادا مرحوم عہد تیموری میں ایران سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے اور شاہی مطبخ کے انچارج لگے تھے اور بادشاہ نے انہیں طباخ الملک کا خطاب بھی عنایت کیا تھا اسی واسطے علامہ فرماتے تھے اور بجا فرماتے تھے کہ فارسی تو ہمارے گھر کی لونڈی ہے انگریزی کی مہارت یوں سمجھ میں آئی کہ ایک بار دوران تدریس ہی میں ایک لڑکے کو کھڑا کر دیا اور اس سے ماشس کی دال کی انگریزی معلوم کی۔ وہ بیچارہ نہ بتا سکا تو موصوف نے خود ہی بتایا اور جب سے انگریزی ایک ہفتہ میں سکھانے والی کتاب نکال کر اسکی تصدیق بھی کر دی پھر اس کے بعد تو انکا یہ معمول ہی ہو گیا کہ کسی بھی راہ چلتے آدمی کو روک دیتے اور مختلف طرح کی دالوں پھلوں اور سبزیوں کی انگریزی معلوم کرتے وہ نہ بتا پاتا تو خود بتاتے اور اسی رہنما ڈکشنری سے

فوراً ہی اس کی تصدیق بھی فرما دیا کرتے اور آخر میں تو موصوف کی دھاک یہاں تک بیٹھ گئی تھی کہ بڑے بڑے انگریزی داں بھی جب ان کو ان کی رہنما ڈکشنری کے ساتھ دیکھتے تو گھبرا کر اِدھر اُدھر ہو جاتے تھے۔

موصوف شاعر بھی تھے ایک ہی غزل مختلف بحروں میں قافیہ و ردیف بدل بدل کر کے اشعار نکال لیتے تھے اور اس کو استادانہ فنکاری کا نام دیتے تھے موصوف کے پاس غزلوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہو گیا تھا مگر قسمت نے یاوری نہیں کی اور انکا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہو سکا اگر شائع ہو جاتا تو ناظرین دیکھتے کہ مرحوم نے اردو شاعری کو کتنی جہتیں عطا کی ہیں اور غزل کو اس کی محدود بحروں سے نکال کر کتنی نئی بحروں سے آشنا کرایا ہے موصوف صاحب دیوان تو نہ ہو سکے مگر وہ اپنی غزلوں کو مختلف اجزاء میں مرتب کر کے جلد اول اور جلد دوم لکھ کر الماری میں سجا دیا کرتے تھے کہ بعد میں ان پر تحقیق کرنے والوں کے لئے کام آسان ہو جائے اور لوگ آسانی ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کر سکیں۔

شعری موازنہ میں اقبال و غالب کی ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہ تھی معیاری شاعر اُن کے نزدیک چرکین تھا اس کے کلام کو وہ فصاحت و بلاغت کا نمونہ بتاتے تھے اور دلیل پیش کرتے تھے کہ اس کا کلام سمجھ میں جلد آجاتا ہے شعر پڑھتے تھے۔

سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اسکو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اسکو کہتے ہیں

اقبال اور غالب کے پاس تو انہوں نے تحدیانہ انداز میں کئی خطوط بھی لکھے تھے کہ اگر اپنے آپکو مجھ سے بڑا شاعر سمجھتے ہو تو مناظرہ کر لو مگر ان لوگوں کیطرف سے مکمل خاموشی رہی اور کسی نے ان کا چیلنج قبول نہیں کیا انکی اسی بات کے حوالہ سے اسکول کے کسی طالب علم نے اپنے ایک مقالے میں انہیں دور حاضر کا عظیم ترین

شاعر قرار دیا تھا اور غالب پر ان کو فوقیت دی تھی چنانچہ موصوف اس پرچہ کو سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ہر کس و ناکس کو دکھا کر فرماتے کہ دیکھو لوگ ہمارے بارے میں کیا کیا خیال رکھتے ہیں حالانکہ من آنم کہ من دانم بعد میں جب مدرسے کی انتظامیہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے طالب علم کو بلا کر کافی سرزنش کی اور انہیں بھی کافی سخت و سست کہہ گئے مگر موصوف کو اطاعت امیر کا اس قدر پاس تھا کہ وہاں تو انہوں نے زبان تک نہ ہلائی البتہ بعد میں اس لڑکے کو بلا کر فرمایا کہ زمانہ قدر ناشناسوں کا آگیا ہے اس لئے ابھی ایسی باتیں لکھنے سے پرہیز کیا کرو۔

موصوف کی طبیعت میں جدّت و اختراع کا عنصر بھی شامل تھا وہ ہمیشہ احتیاط کو ت سے اور تمیز کو ض سے لکھتے تھے اور اس سلسلہ میں اپنے آپ کو سند سمجھتے تھے مگر رواداری کا یہ عالم تھا کہ جب کسی نے خود ان کے بیاض ہی سے ڈھونڈ کر یہ دکھا دیا کہ آپ نے احتیاط کو ط سے اور تمیز ز سے ہی لکھا ہے تو فرمایا کہ اگرچہ صحیح تو وہی ہے جو میں اب لکھتا ہوں لیکن اگر ویسے بھی لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

موصوف کے تواضع حلم اور بردباری کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب بھی کسی کو خط لکھتے تو نام کے ساتھ ننگ اسلاف بھی ضرور لکھا کرتے تھے بعد میں لوگوں نے انہیں یہی کہنا بھی شروع کر دیا تھا۔

موصوف کی ذاتی زندگی بھی بڑی مرنجا مرنج قسم کی تھی سادگی کا تو یہ عالم تھا کہ اپنے باپ دادا کے زمانے کے ملبوسات رکھے ہوئے تھے اور وہی استعمال فرماتے تھے میں نے موصوف کو کبھی نیا کپڑا پہنے ہوئے نہیں پایا اور جس کپڑے کو ایک بار پہن لیتے تھے اسے اس وقت تک نہ اتارتے جب تک وہ یکے بعد دیگرے کئی رنگ تبدیل کر کے پھٹ نہ جاتا کپڑوں کے سلسلہ میں ان کا یہ مقولہ بہت مشہور تھا فرماتے تھے کہ کپڑے کے دشمن تو دو ہی پانی اور صابن اور اس پر وہ اتنا عمل کرتے تھے کہ اپنی اکلوتی شیروانی کو کبھی اس کے دونوں دشمنوں کے سپرد نہیں کیا یہاں تک کہ

وہ شیروانی مختلف رنگ تبدیل کر کے ملگجی رنگ کی ہو گئی تھی اور نظروں کو بڑی بھلی معلوم ہوتی تھی چنانچہ موصوف جب اسے پہن کر سڑکوں پہ نکلتے تو لوگ ناک پر رومال رکھ کر الگ ہٹ جاتے اور اس عجوبہ روزگار شیروانی اور اس کے مالک کو دیکھتے تھے ایک دفعہ میں بھی ان کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ کسی آدمی نے پتہ نہیں کیا سوچ کر ایک اٹھنی ان کے جیب میں ڈال دی میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ اس آدمی کو دو لگاؤں اور اسے علامہ کی اہمیت سمجھاؤں مگر موصوف کو اسکی خاطر شکنی منظور نہ ہوئی اور مجھے آنکھ کے اشارے سے خاموش کر دیا اس دن سے میں موصوف کی رواداری اور تواضع کا قائل ہو گیا بعد میں موصوف نے مجھے سمجھایا بھی کہ کسی کا دل توڑنے سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔

موصوف اپنی ان متذکرہ بالا خوبیوں کے ساتھ فن طبابت میں بھی بڑا درک رکھتے تھے انکی اس خوبی کا اندازہ مجھے یوں ہوا کہ گاؤں کا ایک چرواہا اپنی آنکھ پر ہاتھ رکھے ہوئے کراہتا ہوا جا رہا تھا مرحوم اپنے طبی علم کی بنا پر اس کا درد برداشت نہ کر سکے اور آواز دے کر اسے بلا لیا حال احوال پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آنکھ میں تنکا چلا گیا ہے یہ سننا تھا کہ علامہ فوراً اندر گئے اور بوتلوں کے ڈھیر سے ایک شیشی اٹھا لائے اور تعریفی انداز میں کہا کہ یہ سرمہ چشم کشیدہ ہے اسے میں نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے اسکی خصوصیت یہ ہے کہ آنکھ کا سارا میل کچیل فوراً صاف کر دیتا ہے پھر اس کی آنکھ کھول کر تھوڑی سی اسے لگا دی ابھی تھوڑی سی دیر بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ رونے چلانے لگا کہ بابو صاحب یہ تو کچھ نظر ہی نہیں آرہا ہے علامہ یہ سنتے ہی پہنچے اور کہا دوسری آنکھ بھی کھول اس میں بھی لگا دوں تو توازن برابر ہو جائے یہ سنتے ہی وہ نامعقول پتہ نہیں کیا بکتا جھکتا بھاگ کھڑا ہوا میں تو اس واقعہ کے بعد موصوف کی شفائے یدوی کا قائل ہو گیا تھا مگر موصوف نے ایک اور واقعہ بیان کر کے مجھے یاد بھی کرا دیا کہ اُن کے ہاتھ میں یہ شفا بلا وجہ نہیں آئی بلکہ اس علم کو سیکھنے

میں علامہ نے بڑی بڑی قربانیاں بھی پیش کی ہیں، اپنے طبابت کے زمانہ میں انہوں نے مختلف جڑی بوٹیوں کو پیس کر ایک کشتہ تیار کیا تھا اور ان کا دعویٰ تھا کہ جو شخص بھی اس کو کھائے گا وہ فولادی انسان بن سکتا ہے ان کے پڑوسی نے پتہ نہیں کیا سوچ کر تھوڑا سا چکھ لیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد ملک عدم سدھار گیا پھر مت پوچھئے کہ لوگوں نے علامہ کے ساتھ کیا سلوک کیا برسوں پولیس اور تھانہ کے چکر میں بھی پڑے رہے کچھ دن جیل میں رہے پھر جب لوٹے تو طبابت کو خیرباد کہہ دیا اور اس طرح "قوم کی ناقدری کی وجہ سے ایک قابل طبیب اپنے درمیان اپنا جوہر نہ دکھا سکا

علامہ کو موسیقی کا بھی بہت شوق تھا نئی نئی راگنیاں دریافت کی تھیں جس میں سے ایک کی سُر نوزائید بچے کی چیخوں سے مشابہ تھی لیکن موصوف کو پڑوسی سخت نامعقول قسم کے ملے تھے مجبوراً یہ شوق بھی بند کر دینا پڑا۔

غرض مرحوم کی کن کن خوبیوں کا تذکرہ کروں اور کن کن کو نظرانداز کر دوں ویسے بھی اس مختصر مضمون میں سب کا احاطہ ناممکن ہے موقع ملا تو موصوف کے کمالات پر ایک کتاب بھی لکھوں گا اور دنیا کو اس مرد شاہی صفت سے ضرور روشناس کراؤں گا۔ کیونکہ مولانا مجھے اپنا بہت عزیز شاگرد سمجھتے تھے اور ہمیشہ کھانے کے وقت پر تشریف لاتے تھے اگرچہ آج وہ اس دنیا میں نہیں ہیں مگر ان کی یادیں اب بھی باقی ہیں اور شاید ہمیشہ باقی رہیں موصوف کی وفات کے بعد جب میں نے قطعہ تاریخ وفات نکالا تو آخری مصرعہ کچھ یوں تھا۔

خس کم جہاں پاک

ذریعہ تعلیم کا مسئلہ اور اسکا حل

پروین کوثر صدیقی
اندی پور، فیض آباد
طالبہ بی۔ اے فائنل

یہ بات اکثر و بیشتر سنی جاتی ہے کہ مسلمان اپنا ہر فیصلہ تقریباً نصف صدی بعد کر پاتے ہیں دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وقت کی اڑتی ہوئی پری کو یہ آگے کے بجائے پیچھے کی چٹیا سے پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں یہ بات ذریعہ تعلیم کے مسئلے کے سلسلے میں بھی صادق آتی ہے۔ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے مکاتب سے لیکر بڑے بڑے دارالعلوموں تک اردو میڈیم میں چل رہے ہیں۔ انہیں مکاتب اور دارالعلوموں سے مسلمان بچوں کی بڑی تعداد اسکولوں اور کالجوں میں داخل ہوتی ہے داخلہ کے وقت ٹسٹ میں ہندی میڈیم ہونے کی وجہ سے انہیں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تقریباً ہر اسکول اور کالج میں داخلے کے امتحان تحریری طور پر لئے جا رہے ہیں۔ اور اس کا میڈیم ہندی ہوتا ہے۔

یہ مسئلہ مقامی نہیں بلکہ صوبائی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ملکی ہے میں اس مضمون کے ذریعہ علمائے کرام اور مسلم دانشوروں کی توجہ فوری طور پر اس مسئلے کی جانب مبذول کرانا چاہتی ہوں کہ ذریعہ تعلیم کے عنوان پر مل بیٹھ کر غور و خوض کریں اور اس مسئلے کا حل تلاش کریں۔ اگر اس مسئلے پر غور نہ کیا گیا تو اس کے بڑے مہلک اثرات سامنے آئیں گے۔ یا تو مسلم بچے ہندی میڈیم کے پرائمری اور نرسری اسکولوں میں چلے جائیں گے

یادہ اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم سے محروم رہ جائیں گے۔ اس وقت صورتحال یہ
ہزاروں بچے اچھے اسکولوں اور کالجوں میں داخلہ پانے سے محروم ہیں۔ اور وہ دربدر کی
ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

جہاں تک اردو زبان وادب کا سوال ہے تو اس کی خدمت اسکول کالج
اور یونیورسٹیاں ہی زیادہ کر رہی ہیں۔ ہماری دینی درسگاہیں اردو میڈیم میں تو ضرو
چل رہی ہیں۔ لیکن اردو زبان وادب کی بھرپور خدمت نہیں کر پا رہی ہیں۔ جس کا نتی
یہ نکلتا ہے کہ کالج اور یونیورسٹیاں اردو زبان میں جو استعداد پیدا کر رہی ہیں وہ ہماری
دینی درسگاہیں نہیں پیدا کر پا رہی ہیں۔ پھر اردو میڈیم پر اتنا اصرار کیوں ہے؟

میڈیم کے مسئلے پر بڑی اچھی اچھی بحثیں ہو چکی ہیں کچھ دانشوروں کا خیال ہے کہ
ذریعہ تعلیم ہمیشہ مادری زبان ہی ہونی چاہئے۔ کیونکہ بچے میں قوت اخذ سب سے زیادہ ما
زبان میں ہوتی ہے۔ اس سے الگ ہٹ کر کچھ دانشوروں کا یہ خیال ہے کہ پہلی
رائے کی حقانیت کا اپنی جگہ پر مسلم ہونا ایک طے شدہ بات ہے لیکن چونکہ مسلمانوں
کے پاس اسکول کالج اور یونیورسٹیاں اردو میڈیم میں نہیں ہیں۔

اس لئے اردو میڈیم کی ادھوری تعلیم مسلمانوں کی پسماندگی
کا بہت بڑا سبب ہے۔ لہٰذا انکی رائے ہے کہ ہمیں اپنے ادارے ہندی میڈیم
میں چلانے چاہئیں۔ زبان تو خدا کا عطیہ ہے اس سے ہمیں نفرت نہیں ہونی
چاہئے۔ اسی طرح سے ہندی میڈیم میں تعلیم دے کر ہم اپنے بچوں کو دیگر اقوام کے
بچوں کے شانہ بشانہ تعمیر وترقی کی دوڑ میں شامل کر سکتے ہیں۔

آپ نے اوپر کی دونوں رائیں دیکھیں مگر دونوں کو کلی طور پر اپنانے سے
ذیلی مسائل ابھر کر سامنے آئیں گے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے بیچ کا راستہ اپنانا
چاہئے جو موجودہ مسئلہ کا حل ہے۔ وہ یہ ہے کہ دینیات سے متعلق تمامی مضامین
کو اردو زبان میں پڑھایا جائے۔ اور عصری علوم سے متعلق تمامی مضامین ہندی زبان

پڑھایا جائے۔ (جیسے ہندی زبان کے ساتھ ساتھ حساب وتاریخ وجغرافیہ وسائنس
اور علم تمدن وغیرہ) اس طرح سے ہندی میڈیم کو کلی طور پر اپنانے سے اردو کی بقا
کو جو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اس کو ٹالا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایک بات اور
کہنا چاہوں گی کہ عصری علوم کے نام پر بہت سی درسگاہوں میں صرف ہندی یا کچھ جگہوں
پر ہندی اور انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ چیز بھی کچھ زیادہ سودمند نہیں ہے۔
عصری علوم کے تحت ہندی انگریزی کے ساتھ ساتھ تاریخ جغرافیہ سائنس اور علم
تمدن کو بھی شامل کیا جانا چاہئے۔ تاکہ ہم تعلیم کے میدان میں کسی طرح پیچھے نہ رہیں
بلکہ دیگر اقوام پر سبقت لے جائیں اور ہر اعتبار سے ان پر برتر ثابت ہوں۔ پھر
ایسا کیوں نہ ہو علم تو ہماری ہی میراث ہے۔

تعلیم ہے اس دور میں امراض ملت کی دوا
ہے خون فاسد کے لئے تعلیم مثل نیشتر

غزل

شفیع اللہ خاں رازؔ اشادی

حسن کردار دائمی ہے یہاں
ورنہ ہر چیز عارضی ہے یہاں

صرف دو دن کی زندگی ہے یہاں
پھر بھی مغرور آدمی ہے یہاں

آنے والے سب آ گئے لیکن
صرف اک آپ کی کمی ہے یہاں

روشنی کے پرند آئیں گے
تیرگی جال بن رہی ہے یہاں

سر زمیں آگ کا سمندر ہے
ناؤ کاغذ کی چل رہی ہے یہاں

ہوشمندی کا جسکو دعویٰ تھا
کشتۂ جام بیخودی ہے یہاں

یہ علاقہ پسند ہے مجھ کو
مرکز شعر وشاعری ہے یہاں

زندگی ناتمام لگتی ہے
نامکمل ہر آدمی ہے یہاں

رازؔ سمجھے نہ برف کے پتلے
شعلگی کیسے ڈس رہی ہے یہاں

تحقیق کا علمی انداز واسلوب

چوتھی اور آخری قسط

تحریر ـــــ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری
ترجمانی ـــــ انیس احمد فلاحی مدنی

ساتواں مرحلہ

مقالہ کی علمی ترتیب

ایم اے اور ڈاکٹریٹ کے مقالوں کے عناصر درج ذیل ہوتے ہیں۔

۱۔ شکر وتقدیم۔

اس میں طالب علم اپنے مشرف (سپروائزر) اور ہر اس شخص کا شکریہ ادا کرتا ہے جس کا تعاون کسی نہ کسی شکل میں مقالہ کی تیاری میں رہا ہو جیسے اساتذہ کرام، لائبریرین وغیرہ۔

۲۔ مقدمہ۔ مقدمہ مقالہ کے عنوان کی اہمیت، سبب اختیار نیز اس طریقہ کی توضیح پر مشتمل ہوتا ہے جسکو ریسرچ اسکالر نے اپنی تحقیق میں پیش نظر رکھا ہے اور ایسے ہی مصادر ومراجع جمع کرنے میں جو پریشانیاں سد راہ ہوئیں یا موضوع کے متعلق سابق تحقیقوں اور ان میں موجود نقائص وعیوب اور اسکے ان پہلوؤں کے تذکرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کی تحقیق صرف اس نے کی ہو۔ ایسے ہی مقدمہ میں ان افکار ونظریات کی جانب بھی اشارہ کیا جاتا ہے۔ جنہیں ریسرچ اسکالر نے دلائل کی روشنی میں رد کیا ہو نیز علم وتحقیق کے ان نئے پہلوؤں اور گوشوں کا تعارف بھی پیش کیا جاتا ہے جو سب سے پہلے اس نے اجاگر کئے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ محققین ومجتہدین کی نظریں

موضوع کے ان پہلوؤں کی جانب بھی متوجہ کرائی جاتی ہیں جو ابھی تشنۂ تحقیق ہوں۔

ہمارے پیشرو علماء وادباء کی یہ روشن رہی ہے کہ وہ اپنی کتابوں کے مقدموں میں ان علمی اضافوں کی جانب اشارہ کیا کرتے تھے جو خالص انکے اپنے ہوں۔ مثال کے طور پر قاضی عیاض کی مشہور ومعروف کتاب "الالماع الی معرفة اصول الروایة وتقیید السماع" کے مقدمہ کو دیکھ لیجئے جس میں وہ یوں رقمطراز ہیں۔

"وقد تقصینا وجوہ الاجازة[1] بما لم نسبق الیه" (صفحہ ۱۰) اور ہم نے اجازۃ کی ان تمام ہی صورتوں کا استقصاء وتتبع کیا ہے جنہیں کسی پیشرو عالم نے ہم سے پہلے پیش نہیں کیا ہے۔

ایسے ہی مقدمہ میں ان علماء کرام کا تحسین آمیز کلمات میں ذکر کرنا بھی پیشرو علماء کا طریقہ رہا ہے۔ جن کا موضوع کے اختیار کرنے میں اہم رول رہا ہو۔ مثال کے طور پر حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب "ھدی الساری" دیکھی جائے جس میں انہوں نے حافظ ابو عبد اللہ بن رشید کے فضل کا اعتراف کیا ہے کہ معلقات بخاری کے سلسلہ میں انکی کتاب "تعلیق التعلیق" کے لکھنے پر مہمیز ابن رشید کی کتاب "ترجمان التراجم" کی درج ذیل عبارت نے لگائی ہے۔

"وھو ـ ای التعلیق ـ مفتقر الی أن یصنف فیه کتاب یخصه تُسنَد فیه تلک المعلقات وتبین درجتها من الصحة والحسن او غیر ذلک من الدرجات وما علمت احدا تعرض لتصنیف فی ذلک وانه لمهم لا سیما لمن له عنایة بکتاب البخاری"

(ھدی الساری صفحہ ۱۹-۲۰)

معلقات کا فن اس امر کا متقاضی ہے کہ اس فن پر کوئی مخصوص کتاب لکھی جائے جس میں تمام ہی معلقات کو مسنداً ومتصلاً روایت کرنے کے ساتھ ساتھ انکے صحیح یا حسن یا ضعیف ہونے کی وضاحت بھی کر دی جائے۔ میرے علم کی

[1] محدث کی کسی طالب علم کو روایت کی اجازت دینا۔

حدتک کسی مصنف نے بھی اس فن پر قلم نہیں اٹھایا ہے حالانکہ صحیح بخاری سے شغف و عنایت رکھنے والوں کے لئے اس پر قلم اٹھانا ازحد ضروری ہے۔

مقدمہ میں اس امر کا لحاظ بھی ناگزیر ہے کہ مقدمہ بالکل سلیس و شگفتہ زبان میں ہونے کے ساتھ ساتھ مقدمہ کے تمام ہی عناصر پر مشتمل ہو تاکہ قاری مقالہ کی اہمیت و افادیت کو محسوس کرتے ہوئے پورے مقالہ کے مطالعہ کو جاری رکھ سکے۔

۳۔ فہرست موضوعات۔ اس میں تمام ہی ابواب و فصول اور مباحث و مطالب کی ہیڈنگ مع صفحہ نمبر کے درج کی جاتی ہے۔

۴۔ خلاصۂ بحث (خاتمہ)

اس میں تمام ابواب کا خلاصہ اور تحقیق کے ثمرات و نتائج کو بیان کیا جاتا ہے۔

۵۔ مصادر و مراجع کی فہرست۔

مصادر و مراجع کی فہرست میں عموماً درج ذیل دو طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

الف:۔ اسماء مؤلفین کا حروف ابجد کے اعتبار سے اندراج۔

اس میں سب سے پہلے مؤلف کا پورا نام پھر اسکی تاریخ وفات اسکی تصنیف کا مکمل نام، اسکے اجزاء و مجلدات کی تفصیل محقق کا نام، ناشر کا نام، مطبعہ نیز سن طبع درج کیا جاتا ہے۔

مصادر کے اس طریقہ اندراج میں بعض محققین مخطوطات و مطبوعات، نیز قدیم و جدید مصادر میں کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے ہیں۔ صرف اجنبی زبان کے مصادر کی فہرست الگ سے بناتے ہیں جبکہ دیگر محققین مخطوطات و مطبوعات نیز قدیم و جدید کے اعتبار سے ہر نوع کی فہرست الگ الگ بناتے ہیں۔

مذکورہ طریقہ کے لحاظ سے کسی بھی کتاب کا حوالہ یوں درج کیا جائے گا۔

الزمخشری، ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر (ت: ۵۳۸ھ)
الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل۔ ج ٤
مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ ۱۳۶۷ھ/۱۹٤۷ء

دوسرا طریقہ۔

علوم و فنون کے اعتبار سے مصادر کا اندراج۔

اس طریقہ کے اعتبار سے اگر مقالہ کا تعلق شرعی علوم سے ہو تو سب سے پہلے فن تفسیر و اصول تفسیر کے مصادر پھر حدیث و اصول حدیث، پھر فقہ و اصول فقہ اور پھر نحو و لغت کے معاجم اور پھر تراجم کے مصادر درج کئے جاتے ہیں۔ اور اگر مقالہ کا تعلق فن ادب سے ہو تو سب سے پہلے فن ادب پھر فن نقد، پھر نحو و معاجم اور تراجم کی کتابیں درج کی جاتی ہیں، نیز ایم اے اور ڈاکٹریٹ کے مقالوں میں درج ذیل فہارس بھی تیار کئے جاتے ہیں

۱۔ قرآنی آیات کی فہرست — ۲۔ احادیث و آثار کی فہرست

۳۔ اماکن و بلدان کی فہرست — ۴۔ اشعار و امثال کی فہرست

اور ان تمام امور کی فہرست حروف ابجد کے اعتبار سے بنائی جاتی ہے۔

اسلوب بحث کے چند مصادر۔

اسلوب بحث پر چند مشہور و معروف کتابیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ النقد التاریخی۔ سینوبس۔ ۲۔ منہج البحث التاریخی۔ حسن عثمان

۳۔ منہج البحث فی الادب واللغۃ۔ لانسون

۴۔ طرق البحث العلمی فی التاریخ والآثار۔ دکتور طہ باقر اور عبدالعزیز حمید

۵۔ التوثیق تاریخہ وادواتہ۔ دکتور عبدالمجید عابدین

۶۔ مصطلح التاریخ۔ دکتور اسد رستم

۷۔ المدخل الی الدراسات التاریخیۃ۔ دکتور عبدالرحمن بدوی

۸۔ المرشد فی کتابۃ الابحاث۔ دکتور حلمی فودہ ود۔ اور عبدالرحمن صالح عبداللہ

بقیہ ص ۴۲ پر

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

تعارف و تبصرہ

حیات عمران (جلد اول)

مولانا محمد عمران خان ندوی ازہریؒ (۱۹۱۳ء–۱۹۸۶ء) نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اہتمام سے لیکر دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کی تاسیس تک ملک و قوم کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اور تربیت و تزکیہ، تصنیف و تحقیق، اصلاح و دعوت کے مختلف میدانوں میں جو زبردست کردار ادا کیا ہے اس کا تذکرہ توشۂ آخرت بھی ہے اور علم و فن سے اور ملک و قوم سے عقیدت و محبت کا تقاضا بھی۔ اسی احساس کے تحت ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی (پروفیسر شعبہ دراسات اسلامیہ و عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) نے بڑی محنت اور تحقیق کے ساتھ حیات عمران کی پہلی جلد مکتبہ دین و دانش ۱۳۔ مسجد شکور خاں روڈ بھوپال سے شائع کی ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں مولانا محمد حسان خاں ندوی، اور مولانا حکیم احسن علی خاں ندوی کا اور اس کی ترتیب و تہذیب میں پروفیسر محمد یٰسین مظہری صدیقی اور ڈاکٹر محمد خالد صدیقی کا بھی پورا تعاون مصنف کو حاصل رہا۔ کتابت و طباعت اور جلد بندی کے اعتبار سے بھی یہ تصنیف اعلیٰ پائے کی ہے۔ قارئین کو اس کتاب کی دوسری جلد کا انتظار ہے۔

اس کتاب کا سب سے اہم باب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دور اہتمام سے متعلق ہے۔ پہلے دور میں مولانا نے ہمہ وقتی مہتمم کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی مگر ۱۹۴۳ء میں انہیں استعفیٰ دینا پڑا۔ دوسری بار جز وقتی مہتمم کی حیثیت سے مولانا نے ندوہ کی رہنمائی کی مگر ۱۹۵۸ء میں انہیں اپنے اس منصب سے بھی سبکدوش ہونا پڑا۔ ندوہ کی تاریخ اس وقت تک مکمل نہ ہوگی جب تک کہ اس پورے دور کے حالات و واقعات بغیر کسی کتر بیونت کے اور بغیر کسی جانبداری کا مظاہرہ کئے

ہوئے قلم بند نہ کئے جائیں۔ ۱۹۴۳ء میں ندوہ میں ہونے والی اسٹرائیک کی تحقیقاتی رپورٹ (جو علامہ سید سلیمان ندوی نے تیار کی تھی اور مجلس انتظامیہ کی میٹنگ میں پیش کی تھی) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ہنگامے کے پیچھے مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی سازشیں کارفرما تھیں انہوں نے ہی طلبہ کو اسٹرائیک کے لئے آمادہ اور تیار کیا تھا چنانچہ سید سلیمان ندوی صاحب نے انتظامی ذمہ داری قبول کرتے ہی قدوائی صاحب کو ان کے منصب سے سبکدوش کرنا چاہا تو اس بارود کی سرنگ میں آگ لگ گئی اور ہنگامے کا آغاز ہو گیا۔ (ص ۲۱۲) خارج شدہ لڑکوں نے نگران اور مہتمم پر حملوں کے منصوبے بنائے۔

اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تحریک بھی مولانا عمران خاں کی سبکدوشی میں شامل تھی۔ جس کا اظہار مولانا نے اپنے خط مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۵۸ء میں اس طرح کیا ہے کہ "مجھے یہ محسوس ہو گیا کہ آپ مجھ سے دست برداری کسی مناسب طریقہ پر چاہتے ہیں" (ص ۱۵۷)۔ چنانچہ مولانا کے بھوپال منتقل ہونے کے بعد ندوہ مولانا علی میاں کی سرپرستی کیلئے یکسو ہو گیا۔

اس کتاب کی اہمیت ضمیمہ، حوالے و حواشی، کتابیات اور اشاریہ کی وجہ سے دوچند ہو گئی ہے۔ حواشی کی ترتیب میں فاضل مصنف نے بڑی دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے۔ کتاب میں مذکورہ افراد و شخصیات کے مجمل سوانحی خاکے بھی شامل کئے ہیں۔ جس سے کتاب کی علمی حیثیت میں اضافہ ہوا ہے۔ کتاب کے آخر میں مولانا مرحوم کی کتابوں، مضامین اور مقالات، استقبالیہ خطبوں اور مکاتیب کا اضافہ بھی شامل ہے۔ مولانا محمد عمران خاں کے بعض جملے تو ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر۔

"راستہ کی دوستی، اختلاف رائے رکھنے والے سے زیادہ ملتی ہے بنسبت ہاں میں ہاں ملانے (Most obidient servent) کے"۔ (ص ۴۰)

"بے اصولیوں کے بیچ بیچ میں کہیں کہیں اصول پر عمل کرنے لگنا میرا مسلک نہ تھا

اور نہ میں اس کا قائل ہوں۔" (ص ۴۵)

"بزرگوں کے مخلصانہ مسامحات کو تسلیم کرتے رہنا بھی ایک اصول ہے۔" (ص ۹)

"جو اصول کی پابندی کرے اور انتظام میں مخل نہ ہو وہ میرا ساتھی ہے اور جو اصول توڑتا اور بدنظمی پیدا کرتا ہے وہ میرا ساتھی نہیں ہے۔" (ص ۷)

فاضل مصنف نے انتہائی اختلافی مسائل کو بھی بیان کرتے وقت اعتدال و توازن اور وقار و متانت کو پوری طرح برقرار رکھا ہے۔ اپنے مقدمہ میں مولانا علی میاں کی اس اصولی بات کو انہوں نے نقل بھی کیا ہے کہ "جب محتاط مورخین بھی تاریخ اسلام اور سیر صحابہ مرتب کرتے وقت مشاجرات صحابہ سے صرفِ نظر نہ کر سکے اور جنگ جمل و صفین کو چار و ناچار جگہ دینی پڑی تو اسلامی تاریخ کا مورخ اور اس کی کسی قابل احترام شخصیت کا سوانح نگار اس سے کس طرح اغماض برت سکتا ہے۔ البتہ یہ اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں توفیق الٰہی سے کسی جگہ بھی نقطۂ اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا۔ ہر شخصیت کو حالات کے اس چوکھٹے میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے جن میں ان واقعات و حالات کا ظہور ہوا اور اس کو اس کا صحیح مقام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔" (ص ۱۰)

قابل مبارکباد ہیں فاضل مصنف کہ انہوں نے دیانت داری سے تاریخ کو جوں کا توں محفوظ کر دیا ہے اور بڑی حکمت و فراست سے انتہائی محترم شخصیات کے اختلافات کو بھی بیان کر دیا ہے۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے بہت مفید ہوگی جو اس پورے دور کی تاریخ کو صحیح تناظر میں سمجھنا چاہتے ہیں۔ کتاب کی قیمت -/150 روپے رکھی گئی ہے۔

"حیاتِ نو"

ابوالبیان حماد عمری

پھونکے کا خرمنِ خس و خاشاکِ کفر کو — اسلام کے نظامِ سعادت کا سیلِ نو
ارانِ میر کام، رہِ حق پہ چل پڑو — منزل پہ جلد پہنچو چلو جو بھی ہو سو ہو
عالم میں پھیل جائے جو پھر دینِ حق کی ضو — ہو گی طلوع، امن و محبت کی صبحِ نو
تسکیں کہاں ہے راہ نوردانِ شوق کو — پیدا تحیر، یہ تگ و تاز و خرام و دو
فکر و نظر میں آئے اگر انقلاب کچھ — پھولوں میں پھوٹتی ہے شعاعِ حیاتِ نو
انجام جرم ہو نہ سزا خیر پہ کبھی — کس طرح تخمِ نیم سے پیدا ہو فصلِ جو
اب اس کی فکر ہے کہ یہ دنیا کہاں رکے — ہر سمت چل پڑی ہے برائی کی ایک رو
مکھّن ہے شیرِ ملتِ بیضا میں آج بھی — پر شرط ہے ندیم! اسے ٹھیک سے بلو
باطل کے سر پہ بھوت تشدد کا ہے سوار — اوہام! نت نئے ہیں خرافات نو بہ نو
ظلمت، شبِ حیات کی سر پیٹنے لگی — مدت کے بعد شکر ہے پھر صبح کی وہ پو
اے دل اگر تو خواہی حصولِ رضائے حق — غافل، تو از خدا و حبیبِ خدا مشو

حماد پہ خدا کا یہ فضل و کرم ہے خاص
آتے ہیں ذہن میں جو خیالات نو بہ نو

روداد انجمن

محمد اسمٰعیل فلاحی

اجلاس عام کی تیاری

۲۵تا۲۷ر اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ہونے والے اجلاس عام کی تیاری جاری ہے۔ اس سلسلہ کی متعدد نشستیں ہوئی ہیں۔ فلاحی برادران، ہمدردان جامعہ، علماء اور دانشوروں سے ربط پیدا کیا جارہا ہے۔ لوگوں کے حوصلہ افزا خطوط آرہے ہیں اور وہ بے چینی سے ان تاریخوں کا انتظار کررہے ہیں۔

۲۶ر اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ہونے والے سمینار کا مرکزی عنوان "عصر حاضر میں علماء کی خدمات" ہے۔

ذیلی موضوعات مندرجہ ذیل ہیں۔

"علماء ہند کی تفسیری خدمات" "علوم حدیث میں علماء ہند کی خدمات" "فقہ اور اصول فقہ میں علماء ہند کی خدمات" "اردو سیرت نگاری میں علماء ہند کی خدمات" "عربی سیرت نگاری میں علماء ہند کی خدمات" "انگریزی سیرت نگاری میں علماء ہند کی خدمات" "فن تعلیم و تدریس اور علماء ہند" "طب اسلامی اور علماء ہند" "ادیان و مذاہب کا مطالعہ اور علماء ہند" "تحریک آزادی ہند اور علماء کرام" "فلسفہ اسلام اور علماء ہند کی خدمات" "تاریخ اسلامی اور ہندوستانی علماء" "اسلامی معاشیات اور ہندوستانی علماء" "علوم عمرانیہ اور علماء ہند"

اس سمینار کا ایک اجلاس مختلف اسلامی علوم میں عالم اسلام کی خدمات کے لئے مخصوص ہوگا۔ اس سمینار میں ملک اور بیرون ملک کی مقتدر شخصیات اکابر اہل علم، مدارس دینیہ کے علماء اور دینی و ملی تنظیموں کے قائدین شریک ہونگے۔

۲۶ر اکتوبر ۱۹۹۶ء کو طالبات وخواتین کا متوازی سمینار بھی ہوگا۔ جس کا مرکزی موضوع "تعمیر معاشرہ اور خواتین" ہے۔ اسکے ذیلی عنوانات یہ طے ہوئے۔

۱۔ "علوم اسلامیہ اور خواتین۔۔ یعنی جدید دور میں مختلف اسلامی علوم کے فروغ میں خواتین کا حصہ" ۲۔ "ملکی سیاست اور خواتین" (اسلام کے تناظر میں عورتوں کی شرکت) ۳۔ اسلام میں عورت کے حقوق اور ذرائع ابلاغ، ۴۔ عورت کی سماجی حیثیت ایک تقابلی جائزہ، ۵۔ تربیت اطفال اور خواتین، ۶۔ فارغات اور تحریک اسلامی، ۷۔ تعلیم نسواں اور اس کے مسائل، ۸۔ تعمیر معاشرہ اور خواتین۔

وفود انجمن

اجلاس عام اور اس کے پروگراموں کا تعارف، ہمدردان جامعہ، اہل علم اور اہل خیر حضرات سے ملاقاتیں کرنے، پروگرام میں شرکت کی دعوت دینے اور تعاون حاصل کرنے کی غرض سے انجمن کے مختلف وفود جلد ہی مختلف شہروں کا دورہ کریں گے۔

بمبئی یونٹ کا انتخاب

۳۰ر جون ۱۹۹۶ء کو انجمن طلبہ قدیم بمبئی یونٹ کا ایک اجلاس نائب ناظم جامعہ مولانا ابوالبقاء صاحب ندوی کی صدارت میں ہوا۔ موصوف جامعہ کے خصوصی معاونین و متوسلین کو جامعہ کے حالات سے باخبر کرنے، ان کے مشورے حاصل کرنے اور تعاون لینے کی غرض سے بمبئی تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں ان کے ہمراہ مولانا نور محمد صاحب فلاحی بھی تھے۔

اس اجلاس میں مولانا شفاعت احمد صاحب فلاحی سرپرست، حافظ ادہم صاحب فلاحی صدر، ڈاکٹر فاروق احمد صاحب فلاحی سکریٹری اور علی حسن صاحب فلاحی خازن منتخب ہوئے ہیں۔ اسکے علاوہ ڈاکٹر عبدالحمید بستوی صاحب فلاحی، ڈاکٹر عبدالقوی صاحب فلاحی، ڈاکٹر مرزا عرفان بیگ صاحب، فیاض احمد صاحب فلاحی اور ڈاکٹر عبدالغفور صاحب فلاحی مجلس شوریٰ کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔

اجلاس عام

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ — فون نمبر ۲۵۱۱۵/۵۲۶۶

برادر محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

برادرم! انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح آپکی اپنی انجمن ہے جسکے پیش نظر مقاصد جامعہ کے حصول کے لئے ذمہ داران جامعہ کا تعاون کرنا، طلبۂ قدیم کو منظم کرنا۔ اور انکی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا، انہیں دین وملت کی خدمت کیلئے تیار کرنا، نیز اس راہ میں آنیوالی پریشانیوں کو دور کرنا بھی ہے۔

ہمیں یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی ہورہی ہے کہ آپکی اس انجمن کی طرف سے مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کیلئے حسب سابق اس سال مادر علمی جامعۃ الفلاح کے احاطہ میں ایک سہ روزہ اجلاس ۲۵، ۲۶، ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ہونے جارہا ہے۔ اس موقع پر کلیۃ البنات میں ۵۰۰ طالبات کے [illegible] کا افتتاح ہوگا اور انجمن ہاؤس کا سنگ بنیاد بھی رکھا جائیگا۔ اسمیں ایک سمینار بعنوان "عصر حاضر میں علماء کی خدمات" کے علاوہ تنظیمی نشست، طلبہ کا تعلیمی مظاہرہ، نمایاں کامیاب طلبہ میں تقسیم انعامات اور دیگر دلچسپ ومفید پروگراموں کیساتھ کلیۃ البنات میں فلاحیات کا پہلی بار "تعمیر معاشرہ اور خواتین" پر ایک خصوصی سمینار بھی ہورہا ہے جسمیں ملک بھر کی ممتاز خواتین کو دعوت دی گئی ہے۔

ہمیں امید ہے آپ اس اجلاس میں شرکت کی بھرپور کوشش کریں گے۔ فی الحال آپ سے چند گذارشات ہیں:

✵ آپکے قریب اگر کوئی فلاحی یا فلاحیات میں سے یا جامعۃ الفلاح کا سابق طالبعلم موجود ہو تو اس سے ربط پیدا کریں نیز اسکے پتہ سے ہمیں مطلع فرمائیں ✵ اجلاس کے سلسلہ میں اسے ہر طرح سے کامیاب بنانے کیلئے اپنے قیمتی مشوروں سے آگاہ فرمائیں۔ ✵ ہر فلاحی اجلاس کو کامیاب بنانے کیلئے مادی ومعنوی حیثیت سے اس میں شریک ہو اور احباب ومتعلقین کو بھی اسکے لئے آمادہ کرے ✵ اجلاس کی کامیابی کیلئے خصوصی دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمارا یہ اجلاس سابقہ اجلاسوں سے زیادہ مفید وکامیاب ہو۔

✵ نوٹ:- ورق بالا مراسلہ فلاحی برادران کے نام روانہ کیا جاچکا ہے ڈاک کی خرابی کیوجہ سے اگر نہ مل سکے تو اسے کافی سمجھا جائے۔

والسلام ناظم اجلاس
مطیع اللہ فلاحی مدنی

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل ونہار

امتحان ششماہی اول

۱۸ر جولائی ۱۹۹۶ء سے سیشن ۹۶-۹۷ء کے ششماہی اول کا شفوی امتحان شروع ہوگیا ہے۔ ۲۳ر جولائی ۹۶ء سے تحریری امتحان شروع ہوگا۔ ۴ر اگست کو آخری پرچہ حل کرنے کے بعد طلبہ گھروں کو روانہ ہوسکیں گے۔ اساتذہ ۸ر اگست ۹۶ء تک رک کر نتائج تیار کریں گے۔ ۱۰ر اگست سے ششماہی تعطیل کا آغاز ہوگا۔ اگلی ششماہی ۲۵ر اگست ۹۶ء سے شروع ہوگی انشاء اللہ۔

تعمیرات

درسگاہ کلیۃ البنات کی دوسری منزل کے ۲ بلاک کی تعمیر مکمل ہوگئی ہے۔ واضح رہے کہ کلاسوں کے لئے کمروں کی کمی تھی۔ اور یہ تعمیر ضروری تھی۔ ابھی مزید ۲ بلاکوں کی دوسری منزل کی تعمیر باقی ہے۔ مرکزی لائبریری میں بھی تعمیراتی کام جاری ہے۔

مولانا بدرالدین صاحب کا انتقال

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اور دائرہ حمیدیہ کے ناظم جناب مولانا بدرالدین صاحب اصلاحی ۱۹ر جون ۱۹۹۶ء کو طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ بڑی وضعدار شخصیت کے مالک تھے۔ ماہنامہ الاصلاح میں شائع ہونے والے ان کے مضامین خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان سے انکی علمی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے لیکن پھر ان کا قلم رک گیا۔ مولانا فراہیؒ کے مسودات کی ترتیب واشاعت کے سلسلہ میں انکی کوششیں قابل قدر ہیں۔ مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کی وفات کے بعد مولانا فراہیؒ کے قرآنی مسودات کے امین مولانا بدرالدین اصلاحیؒ ہی قرار پائے۔ ان سے

توقع تھی کہ وہ انہیں اہل علم کے سامنے لائیں گے۔ اس لئے کہ مولانا فراہیؒ کی تحریریں ملت کا سرمایہ ہیں لیکن مولانا فراہیؒ کے خوشہ چینوں کو آج تک ان تحریروں کا انتظار ہے۔ بہت کم حصہ ہے جو اب تک منظر عام پر آسکا ہے اور بہت کافی حصہ ہے جو ایک صندوق میں بند پڑا ہوا کسی شیدائے قرآن کا منتظر ہے۔

مولانا بدرالدین صاحب اصلاحی کے انتقال کا غم جامعۃ الفلاح میں بھی محسوس کیا گیا۔ صدر جامعہ مولانا محمد عنایت اللہ صاحب سبحانی، صدر انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی، سابق صدر جامعہ مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی، مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی، مولانا محمد سلامت اللہ صاحب اصلاحی، مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی اور مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی پر مشتمل ایک وفد تعزیت کے لئے مرحوم کے گھر گیا۔

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے نئے ناظم جناب مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی مدیر ماہنامہ معارف منتخب ہوئے ہیں۔ ہمیں ان سے بڑی اچھی امیدیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور انہیں اپنی ذمہ داریاں صحیح طور سے محسوس کرنے اور ادا کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

غزل

ریاض احمد قاصد

شہرت کی طلب ہے نہ گہر ڈھونڈ رہے ہیں
جو ہیں سکوں ایسی ڈگر ڈھونڈ رہے ہیں

کیوں آج ازہر گرز ڈھونڈ رہے ہیں
بیٹھے ہیں کدھر اور کدھر ڈھونڈ رہے ہیں

پتھر کے سوا کچھ بھی نہیں پائیں گے نادان
دریا کے کنارے جو گہر ڈھونڈ رہے ہیں

مرجائیں نہ منزل پہ پہنچنے سے ہی پہلے
وہ لوگ جو صحرا میں شجر ڈھونڈ رہے ہیں

ڈر ہے کہ وہ مایوس نہ ہو جائے قدا سے
فرزانہ جو دعا کے اثر ڈھونڈ رہے ہیں